

سرکاری پالیسیوں کا ایک بنیادی مقصد ملک کی آبادی کے حالات زندگی میں بہتری لانا ہوتا ہے۔ یہ امر بخوبی تسلیم کیا جاتا ہے کہ عمومی نمو اور استحکام لانے والی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ رفاہ عامہ میں بہتری کے لیے مرکوز پالیسی اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے ملکی پالیسی سازوں اور بین الاقوامی تعاون کے اداروں دونوں ہی کے تیار کردہ معاشی پروگراموں میں سماجی شعبے کی ترقی ایک لازمی جز رہی ہے۔ گزشتہ تقریباً ایک عشرے کے دوران پاکستان میں سماجی ترقی میں اضافہ ہوا ہے، غربت میں کمی آ رہی ہے، زچہ و بچہ کی شرح اموات کم ہو رہی ہے، امراض سے تحفظ میں وسعت آئی ہے، اور ایڈز کے پھیلاؤ اور ماحولیاتی استحکام کے اظہاریوں میں بہتری آئی ہے، یہ سب ملینیم ڈویلپمنٹ مقاصد (ایم ڈی جی) کے حصول کی میعاد کے دوران ملاحظہ کیا گیا ہے (پاکس 7.1)۔

اس کے باوجود، عوام کے سماجی اور معیار زندگی کو اُس اطمینان بخش سطح پر لے جانے کے لیے ملک کو ابھی بہت فاصلہ طے کرنا ہے جو ترقی کا زینہ چڑھنے کے لیے ضروری ہے۔ سماجی خدمات (بالخصوص تعلیم اور صحت) خصوصی توجہ کی منتقاضی ہیں، کیونکہ پاکستان اب تک ایم ڈی جی کے اہداف حاصل کرنے سے دور ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کی پیشرفت پیمائش اور رفتار دونوں لحاظ سے اپنے علاقائی ہمسروں سے کہیں پیچھے رہ گئی ہے۔ مثال کے طور پر 2000ء میں پاکستان اور بھارت دونوں میں اوسط عمر تقریباً برابر (62.63 کے مقابلے میں 62.77) تھی؛ لیکن 2014ء میں بھارت کا اظہار یہ بہتر ہو کر 68.01 ہو گیا جبکہ پاکستان محض 66.18 سال تک ہی پہنچ سکا۔<sup>1</sup>

سماجی اظہاریوں میں ملک کے مقام کا اپنے ہمسروں سے موازنہ کرنے کا ایک اور عام پیمانہ یو این ڈی پی کے انسانی اشاریہ ترقی میں اس کی درجہ بندی ہے۔ یہ اشاریہ ملکوں کی ان کے اچھے معیار زندگی سے منسلک بنیادی اوصاف کی بنا پر درجہ بندی کرتا ہے۔<sup>2</sup> 2014ء میں 188 ممالک میں سے پاکستان کا درجہ 147 واں تھا؛ اس تمام عرصے میں مطلق ایچ ڈی پی آئی اسکور میں بہتری کے باوجود پاکستان کی متعلقہ کارکردگی حوصلہ افزا نہیں تھی (جدول 7.1)۔

جدول 7.1: انسانی اشاریہ ترقی کی درجہ بندیاں\*

تبدیلی (فیصد)	2014ء		2000ء		پاکستان
	اسکور	درجہ	اسکور	درجہ	
-9.0	7.8	147	0.538	138	0.499
-6.0	5.5	130	0.609	124	0.577
3.0	19.2	142	0.57	145	0.478
-3.0	-0.4	62	0.779	59	0.782
0.0	0.0	110	0.684	110	0.684
16.0	2.2	73	0.757	89	0.741
6.0	0.1	90	0.727	96	0.726
-7.0	-3.2	116	0.666	109	0.688

\* 2000ء میں کل 173 ممالک کی اور 2014ء میں 188 ممالک کی درجہ بندی کی گئی۔

\*\* منفی علامت کا مطلب بگاڑ، اور مثبت علامت کا مطلب بہتری ہے۔

ماخذ: انسانی ترقی کی رپورٹ 2002ء، 2015ء، یو این ڈی پی

<sup>1</sup> ماخذ: ہار اینڈ ہیکس

<sup>2</sup> 180 سے زائد ممالک میں ایچ ڈی پی آئی رینک تین بنیادی انسانی ترقیاتی خصوصیات پر مبنی تھا: طویل اور صحت مند زندگی گزارنا (پیدائش پر امکان زندگی کی پیمائش کے ذریعے)؛ علم حاصل کرنے کی اہلیت (متوقع تعلیمی برسوں اور اوسط تعلیمی برسوں کے ذریعے پیمائش)؛ اور معقول معیار زندگی حاصل کرنے کی اہلیت (فی کس خام قومی آمدنی کی پیمائش کے ذریعے)۔

اس پست درجہ بندی کے کئی عوامل ہیں جن میں کافی عرصے سے چلی آرہی دہشت گردی کے خلاف جنگ، توازن ادائیگیوں میں بار بار کے بحران کی وجہ سے استحکام پر توجہ، اور سب سے اہم، بجٹ کے ناکافی وسائل کے ہوتے ہوئے سماجی خدمت کی فراہمی کے لیے وضع کردہ داخلی پالیسیوں کی تشکیل و نفاذ میں سرکاری اداروں کی ناقص استعداد بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ آبادی میں تیز اضافے اور خواتین کے ایک بڑے حصے کے تعلیم اور افرادی قوت سے سماجی طور پر الگ تھلگ رہنے سے بھی ملک میں سماجی شعبے کی ترقی میں رکاوٹ پڑی۔

#### بکس 7.1: لینیم ڈولپمنٹ مقاصد

ستمبر 2000ء میں اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے رہنماؤں (اس زمانے میں 189 تھے جو اب 193 ہیں) اور دنیا کی بڑی ترین ترقیاتی تنظیموں کے نمائندوں نے اکٹھے ہو کر انتہائی غربت اور اس کی اقسام (کم آمدنی، بھوک، بیماری، مناسب پناہ گاہ کی کمی اور بے دخلی) سے نمٹنے کے لیے ایک محدود مدتی فریم ورک کی منظوری دی۔ انھوں نے صنفی مساوات، تعلیم اور ماحولیاتی استحکام، نیکو صحت، تعلیم، پناہ اور تمام آبادی کے تحفظ جیسے عالمی طور پر تسلیم شدہ بنیادی انسانی حقوق کو 2015ء تک یقینی بنانے کی منظوری بھی دی۔ اس ضمن میں ہونے والی پیش رفت کی پیمائش کے لیے ہر اہم جی ڈی کے لیے اظہار یوں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا گیا۔

یہ یاد گزشتہ برس اختتام پذیر ہو گئی، بلاشبہ 15 برس قبل طے کیے گئے اہداف کے حصول میں دنیائے اجتماع کی طور پر خاصی پیش رفت کی ہے۔ غربت میں کمی اور پرائمری اسکول میں داخلے کے حوالے سے قابل ذکر بہتری نظر آئی ہے (پرائمری تعلیم کی عمر میں اسکول سے محروم بچوں کی تعداد پوری دنیا میں تقریباً آدھی ہونے کے بعد 2015ء میں 57 ملین رہ گئی ہے)۔ شرح خواندگی (15 سے 24 برس عمر کے گروپ میں) میں بھی عالمی سطح پر اضافہ ہوا ہے اور یہ 1990ء کے 83 فیصد سے بڑھ کر 2015ء میں 91 فیصد ہو گئی ہے؛ جبکہ جنوبی ایشیا میں پرائمری اسکولوں میں لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کا تناسب بھی 74 سے بڑھ کر 103 ہو گیا ہے۔ صحت سے متعلق اہم ڈی جیز میں بھی بہتری آئی؛ جیسے پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات 1990ء سے 2015ء تک نصف سے زائد گر چکی ہے؛ 2013ء میں پوری دنیا میں تقریباً 84 فیصد بچوں نے کم از کم ایک بار خسرہ کی ویکسین لگوائی (2000ء میں 73 فیصد)؛ جنوبی ایشیا میں ماؤں کی شرح اموات بھی 1990ء سے 2013ء کے درمیان 64 فیصد کم ہو گئی ہے۔ اسی طرح 2000ء اور 2013ء کے درمیان اونچ آئی وی کے نئے انفیکشنز کی تعداد تقریباً 40 فیصد کم ہو گئی ہے۔

اگرچہ اس بہتری کو تسلیم کیا جانا چاہیے، تاہم اس عرصہ میں ہونے والی پیش رفت اور سماجی ترقی کے حالیہ اظہار یوں کے مابین فرق، بالخصوص ترقی پذیر ممالک میں، ملحوظ رکھنا بھی اہم ہے۔ مثال کے طور پر اقوام متحدہ کے حتمی اہم ڈی جی جائزے کے مطابق جنوبی ایشیا نے انتہائی مفلسی میں کمی کی ہے یا اس کے لیے بہترین پیش رفت کی ہے تاہم اقوام متحدہ اب بھی اس خطے کی درجہ بندی "انتہائی غربت" کے حکار خطوں میں کرتا ہے۔ اسی طرح صفائی کی سہولتوں سے محروم آبادی کا تناسب نصف کم کر دینے کی "خاصی پیشرفت" کے باوجود جنوبی ایشیا اب بھی اس معاملے میں "بہت کم کورین" کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ کسی خطے کے ممالک نیز مختلف خطوں کے مابین حاصل کی گئی پیشرفت میں بھی خاص فرق ہے۔

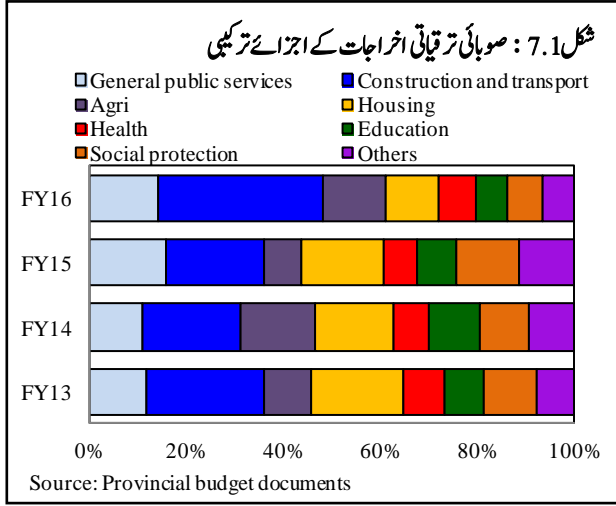
اس کا صاف مطلب یہ ہے، حکومتوں کو چاہیے کہ انہوں نے سماجی و معاشی ترقی میں جو کچھ حاصل کیا ہے اسے نہ صرف مستحکم کرنے کے لیے اپنی کوششیں اور وسائل لگائے رکھیں بلکہ ان کوششوں کا دائرہ ان لوگوں تک بھی بڑھانا چاہیے جن کی زندگیوں کو نمایاں بہتری کی اب بھی ضرورت ہے۔

#### دہشت گردی کے خلاف جنگ

بد قسمتی سے گزشتہ کئی برسوں سے پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متاثر ہے۔ معاشی اور سماجی دونوں ہی شعبوں کی نمود دہشت گردی کے واقعات کی وجہ سے شدید متاثر ہوئی ہے۔ بے حساب انسانی مصائب (ہلاکتیں اور بے دخلی) کی وجہ بننے کے علاوہ اس کے نتیجے میں (i) غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری سے احتراز کر رہے ہیں؛ (ii) ملکی سرمایہ کار بھی انتظار کرو اور دیکھو پر عمل پیرا ہیں؛ (iii) برآمد کنندگان (دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ ریسدی زنجیر میں رکاوٹوں کے باعث) اپنے آرڈر پورے کرنے کے قابل نہیں ہیں؛ اور (iv) ملک کے اندر تجارت میں بھی عمومی سست روی آئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مالی سال 2002ء سے لے کر مالی سال 2016ء تک ملک کو دہشت گردی سے بلا واسطہ اور بالواسطہ طور پر تقریباً 118.3 ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا ہے، جو کہ پاکستان کے بیرونی سرکاری قرضوں کا تقریباً دو گنا ہے۔

<sup>3</sup> مارچ 2016ء تک۔ ماخذ: خمیہ IV (افغانستان میں جنگ اور دہشت گردی کے نتائج کے پاکستانی معیشت پر اثرات)، پاکستان کا معاشی سروے 2015ء تا 2016ء

## بڑے عوامل بھی ناسازگار رہے



عالمی مالی بحران جو 2007ء تا 2009ء جاری رہا اور مختلف تباہ کن قدرتی آفات، جن میں 2005ء کا زلزلہ اور 2010ء کا سیلاب قابل ذکر ہیں، سے پاکستانی کی معیشت بھی متاثر ہوئی جس نے ہمارے سماجی اخراجات پر بالواسطہ ہی نہیں بلاواسطہ نتائج بھی مرتب کیے۔<sup>4</sup> لہذا برسوں کی پسماندہ معاشی نمو، استحکام کے منصوبوں کی طرف بار بار کے پلٹنے، اور قدرتی آفات کے باعث ملک کو سرکاری خدمات کی فراہمی میں بہتری لانے کی بجائے ان دشواریوں کے خلاف جدوجہد میں زیادہ وقت صرف کرنا پڑا۔

## صوبائی، سماجی اور ترقیاتی ترجیحات

ساتویں قومی مالی کمیشن ایوارڈ اور اٹھارہویں ترمیم کے نتیجے میں سماجی شعبے، بالخصوص تعلیم اور صحت کی ذمہ داریاں صوبائی حکومتوں کو منتقل ہو گئی ہیں۔ اس کے برعکس صحت اور تعلیم کے مجموعی اخراجات میں وفاقی حکومت کا حصہ کم ہو گیا ہے۔ اٹھارہویں ترمیم کے پانچ سال گزرنے کے بعد بھی صوبائی حکومتیں اب تک خدمات کی فراہمی بالخصوص تعلیم اور صحت عامہ کے شعبوں میں قابل ذکر کارکردگی دکھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔<sup>5</sup>

اگرچہ صوبوں کے وسائل میں خاصا اضافہ ہوا ہے (قابل تقسیم پول کے تحت فنڈز کے وصول کنندہ ہونے کے ناطے)، لیکن وہ سماجی شعبوں کو فنڈز کی کافی منتقلی کے قابل نہیں ہیں۔ اخراجات میں اس کمی کی ایک وجہ ٹرانسپورٹ اور تعمیرات سمیت انفراسٹرکچر کے منصوبوں پر غیر متناسب توجہ ہے (شکل 7.1)۔

صوبائی ترقیاتی اخراجات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے انفراسٹرکچر کے منصوبے (بشمول تعمیرات سے متعلق) صوبائی حکومتوں کی ترجیح بن چکے ہیں؛ چنانچہ مجموعی ترقیاتی اخراجات میں ان کا حصہ کافی بڑھ گیا ہے۔ اگرچہ ہمیں تسلیم ہے کہ یہ منصوبے ہزاروں لوگوں کو ملازمتیں فراہم کرتے ہیں جو بڑھتی ہوئی آبادی کی طلب کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے، تاہم یہ غیر ضروری فوائد سمیٹنے کے کافی مواقع بھی فراہم کرتے ہیں۔

## مالیاتی استحکام کے لیے صوبائی ذمہ داریاں

یہاں یہ بات سمجھنا بھی اہم ہے کہ آئی ایم ایف پروگرام کے تحت صوبوں پر مالیاتی فاضل رقم ظاہر کرنے پر زور دیا گیا تھا تاکہ مجموعی مالیاتی خسارہ قابو میں رکھا جائے۔ چنانچہ وہ گزشتہ چند برسوں سے قابل تقسیم پول سے ملنے والے وسائل کا کم استعمال کر رہے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملکی سطح پر سماجی شعبے میں کیے جانے والے پاکستان کے اخراجات (بطور فیصد جی ڈی پی) اس کے علاقائی ہمسروں کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔ مالی سال 11ء تا مالی سال 15ء کے دوران تعلیم پر سرکاری اخراجات جی ڈی پی

<sup>4</sup> 1950ء سے 2011ء کے درمیان پاکستان 21 بڑے سیلابوں سے دوچار ہوا، جس کے نتیجے میں ایشیائی ترقیاتی بینک کے تخمینے کے مطابق قومی معیشت کو 1950ء سے 2011ء تک 19 ارب ڈالر کے نقصانات ہوئے۔ ان میں سے 10 ارب ڈالر کا نقصانات محض 2010ء کے دوران ہونے (ماخذ: ایشیائی ترقیاتی بینک، سندھ طاس کے سیلاب: طریقہ کار، اثرات اور انتظام 2013ء)۔

<sup>5</sup> حالانکہ 18 ویں ترمیم سے پہلے بھی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پر صوبے کچھ اختیار کے حامل تھے، ترمیم کے بعد یہ شعبے صوبائی حکومتوں کی اولین ذمہ داری بن گئے۔ اسی طرح سے تعلیم اور صحت کے اخراجات میں وفاقی حصہ کم ہو گیا۔ مالی سال 10ء میں (اختیارات کی تقسیم سے ایک سال پہلے) تعلیم پر حکومتی اخراجات کا مجموعی حصہ 25.3 فیصد تھا جو گھٹ کر 16.9 فیصد ہو گیا تھا (ماخذ: پاکستان کا معاشی سروے 2009ء تا 2010ء، 2015ء تا 2016ء)۔

کے 1.8 فیصد سے بڑھ کر 2.2 فیصد ہو گئے جو برائے نام اضافہ ہے۔ اسی طرح سارک ممالک میں پاکستان فی کس (مساوی قوت خرید) کی بنیاد پر صحت پر (ہنگامہ دیش کے بعد) دوسرا سب سے زیادہ اخراجات کرنے والا ملک ہے۔

### سماجی ضروریات کی پیمائش؛ پالیسی کی تشکیل؛ رقم مختص کرنے؛ اور پیشرفت پر نظر رکھنے کی کم استعداد

سماجی شعبے کے لیے ایک جامع، منصفانہ اور مستحکم پالیسی کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ایک بڑی تعداد میں متعلقہ فریقوں کی مہارتوں کو یکجا کیا جائے جن میں پروفیشنل افراد، عملی پیشہ ور افراد، اور محققین شامل ہوں۔ مثال کے طور پر کسی صوبے میں (ضلعی سطح پر منقسم شدہ) تعلیم اور صحت کی سہولیات کی فراہمی کے لیے ضروری رقم کا تخمینہ لگانا ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس کے لیے گہری تکنیکی مہارت کی ضروری ہے۔ کچھ منصوبہ جات کے لیے بین الاقوامی ڈونرز سرگرم ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر صورتوں میں انہیں مقامی اور صوبائی حکام کی فراہم کردہ معلومات ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ استعداد کے ان مسائل کی بنا پر صوبائی حکومتیں سماجی ترقی پر اس ضرورت سے کم رقم مختص کر رہی ہیں جو خدمات کی فراہمی کے فرق کو کم کر سکے، اہم بات یہ ہے کہ مختص رقم بھی پوری استعمال نہیں کی جا رہی۔ مزید برآں فنڈز سے استفادے کے عمل کی موثر نگرانی اور آڈٹ کی بھی کمی ہے<sup>6</sup> جس کی وجہ سے سماجی شعبوں پر کیے گئے اخراجات کے معیار پر کسی حد تک سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

### خواتین کی سماجی محرومی

درج بالا ادارہ جاتی اور بڑے عوامل کے علاوہ پاکستان میں سماجی شعبے کی ترقی میں رکاوٹ کی ایک اہم وجہ قومی معیشت اور سماجی بہبود سے خواتین کا الگ تھلگ رہنا بھی ہے۔ حال ہی میں کی گئی کچھ بہتری کے باوجود پاکستان میں خواتین کی آبادی کا بڑا حصہ اب بھی رسمی تعلیم اور افرادی قوت سے الگ ہے۔ تمام تعلیمی درجات (پرائمری، ثانوی، اور اعلیٰ ثانوی) میں خواتین کا اندراج اب بھی مردوں سے بہت پیچھے ہے، جبکہ پاکستان کی خواتین افرادی قوت کی شرح تقریباً 25 فیصد ہے جو نچلے کے دیگر ممالک بھارت اور ہنگامہ دیش کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ مزید یہ کہ صحت کی مناسب سہولیات کی کمی بھی خواتین کو غیر متناسب طور پر متاثر کرتی ہے: پاکستانی ماؤں کی شرح اموات (2013ء میں فی لاکھ زچگیوں میں 170 سے زائد اموات) اس خطے کی بلند ترین شرح میں سے ہے۔ خواتین سے متعلق اہم ڈی چیز میں پاکستان کی کارکردگی مایوس کن ہے۔

### بیشتر آبادی نجی شعبے سے خدمات حاصل کرنے کے قابل نہیں

جیسا کہ معلوم ہوا کہ سرکاری شعبہ آبادی کے بڑے حصے کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل نہیں چنانچہ اس فرق کو پورا کرنے کے لیے نجی شعبہ آگے آیا۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران تعلیم اور نگہداشت صحت دونوں ہی میں نجی سہولیات کا دخل بہت بڑھ گیا ہے۔ نجی خدمات کا معیار سرکاری شعبے کے مقابلے میں بہتر سمجھا جاتا ہے تاہم اس کی وجہ سے دو اہم مسائل پیدا ہوئے ہیں: ذہنی علاقے بڑی حد تک نظر انداز کیے گئے ہیں؛ اور آبادی کا بڑا حصہ نجی خدمات حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ یہ مسئلہ تعلیم اور ملازمتوں کے مواقع میں شدت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے؛ منقولی شواہد کے مطابق جو طالب علم سرکاری اسکولوں سے گریجویشن کرتے ہیں انہیں ملازمتوں کے لیے اعلیٰ معیار کے نجی اسکولوں سے آنے والے امیدواروں کے ساتھ سخت مقابلہ درپیش ہوتا ہے۔ چنانچہ آبادی کا غریب حصہ جو اپنی تعلیمی سطح بہتر بنا کر زیادہ آمدنی والے گروپ میں شامل ہو جاتا تھا اب پیچھے رہ جاتا ہے۔

<sup>6</sup> ہائی ٹیکنالوجی کا ایک واضح نتیجہ عمل کی غیر حاضریاں ہیں۔ عالمی بینک (2010) کے مختلف سروے کے دوران بلوچستان اور سندھ کے بنیادی مراکز صحت میں ڈاکٹروں کی غیر حاضری کی شرح بالترتیب 58 فیصد اور 45 فیصد تھی (ماخذ: معیاری صحت کی ترویج، آبادی اور غذائیت کی خدمات، پاکستان پالیسی نوٹ 10 (2013)، عالمی بینک)

## امکانات

پاکستان کی آبادی میں شرح نمو کو مد نظر رکھتے ہوئے ملک کے لیے ضروری ہو گا کہ اپنے سماجی اظہاریوں میں نمایاں بہتری لانا تو درکنار، ان کو موجودہ سطح ہی پر برقرار رکھنے کے واسطے سماجی ترقی کے لیے مختص رقوم میں معقول اضافہ کرے۔ پاکستان ایم ڈی جی کے کئی اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، جبکہ نئے پائیدار ترقیاتی مقاصد (ایس ڈی جی) کو پورا کرنے کی مہلت عمل شروع ہو چکی ہے۔ ایس ڈی جی چیز مزید جامع اظہاریوں پر مشتمل ہیں جو انسانی ترقی اور سماجی شمولیت کے علاوہ معاشی ترقی اور شمولیتی نمو سے متعلق اہداف سے بھی متعلق ہیں (باکس 7.2)۔

خوش قسمتی سے پاکستان اپنے اہداف کی جانب پیشرفت کے لیے اس وقت بہتر حالت میں ہے: سلامتی کی صورت حال بہتر ہو چکی ہے، غیر ملکی سرمایہ کاری دوبارہ آرہی ہے، چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے سے امید ہے کہ دور دراز علاقوں میں معاشی سرگرمیاں شروع ہوں گی، اور عمر کے لحاظ سے پاکستان کی آبادی کی ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنے آبادیاتی حصے سے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

تاہم سرکاری خدمات کی فراہمی کے ضمن میں زبردست اصلاحاتی عمل کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہو گا۔ سماجی شعبوں کے لیے مزید فنڈز مختص کرنے کے علاوہ صوبائی حکومتوں کو استعداد بڑھانے اور نجی شعبے میں پیشہ ور افراد کے ساتھ کام سے متعلق روابط بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ریاستی اخراجات کی درست اور غیر جانبدارانہ نگرانی کے لیے ان کی خدمات سے استفادہ کیا جاسکے۔ اسی دوران ضروری ہے کہ معاشی ترقی میں اشتراک کے لیے نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کی جائے، اس کے ساتھ ساتھ اس شعبے کو اپنی خدمات کے معیار کی نگرانی و توازن لانے کی بھی ترغیب دینی چاہیے۔ جن علاقوں میں سرکاری خدمات کی قلت ہے، ان میں حکومت کو چاہیے کہ پسماندہ طبقوں میں نجی خدمات کے حصول کی سکت پیدا کرنے پر توجہ دے (جس کے لیے خصوصی منصوبے لائے جائیں، جیسے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام)۔

اس کے حصول کے لیے پاکستان کو لازمی طور پر سماجی تحفظ کی وسیع حکمت عملی نافذ کرنا ہے اور غربت کے خاتمے کے اقدامات پر عمل درآمد کرنا ہے جیسے زیادہ مرکوز انداز میں زراعت کی فراہمی۔ مثال کے طور پر سرکاری خدمت کی فراہمی کی ایک ایسی قومی حکمت عملی تیار کی جانی چاہیے جس میں قابل پیمائش اہداف متعین ہوں۔ اس حوالے سے قومی مالی شمولیتی حکمت عملی کے ذریعے ملک میں مالی شمولیت بڑھانے کی حالیہ ریاستی کوششیں امیر و غریب کے مابین فرق کم کرنے میں اہم کردار ادا کریں گی۔ یہ سب بالآخر ملک کی شمولیتی نمو کے سرکاری ہدف کے لیے مددگار ہو گا۔

## باکس 7.2: پائیدار ترقیاتی مقاصد

25 ستمبر 2015ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے منظم ترقیاتی اہداف (ایس ڈی جی) کی باقاعدہ منظوری دی، یہ حال میں ختم ہونے والے ہزارہ ترقیاتی اہداف (ملینیم ڈویلپمنٹ گولز) کا اگلا مرحلہ ہیں۔ ایم ڈی جی کی ایس ڈی جی میں تبدیلی اس عدم اطمینان کو ظاہر کرتی ہے جو موجودہ صورت حال اور سماجی ترقی کے معیار کے بارے میں عالمی برادری رکھتی ہے۔

ایس ڈی جی جامع ترین ایجنڈا پر عمل پیرا معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ایم ڈی جی کے 8 کے مقابلے میں اس کے کل 17 اہداف ہیں۔ جیسا کہ جدول 7.2.1 سے ظاہر ہے، ایس ڈی جی کو سماجی ترقی کے ضمن میں عالمی ترجیحات کی زیادہ جامع اور وسیع کوریج کے اعتبار سے تین اہم گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروپ (ایس ڈی جی 1 تا 6) بنیادی طور پر انسانی ترقی یا سماجی شمولیت سے متعلق ہے اور اولین چھ ایم ڈی جی چیز کا تقریباً مکمل احاطہ کرتا ہے۔ دوسرا گروپ (7 تا 12) معاشی ترقی یا شمولیتی نمو سے متعلق ہے جو کہ اہداف کا ایک نیا مجموعہ ہے۔ سب سے آخر میں تیسرا گروپ (ایس ڈی جی 13 تا 17) ماحولیاتی تبدیلیوں اور عالمی شراکت سے متعلق ہے جس میں ایم ڈی جی چیز کے ساتویں اور آٹھویں اہداف شامل ہیں۔

<sup>7</sup> 2010ء تا 2015ء کے دوران پاکستان کی آبادی میں 2.11 فیصد کا سال بسال اضافہ ہوا۔ یہ افغانستان کے 3.02 فیصد کے اضافے کے بعد جنوب ایشیائی ممالک میں دوسری بلند ترین شرح تھی (ماخذ: عالمی آبادی کے تناظرات: 2015ء کی نظر ثانی، یو این پاپولیشن ڈویژن)۔

ایس ڈی چیز کے بس پر وہ مشاورتی عمل بھی اہم ڈی چیز کی تشکیل کے لیے اپنائے گئے طریقہ کار کے مقابلے میں زیادہ کشادہ ہے۔ بالخصوص، اہم ڈی چیز سے متعلق بحث و تجویز ماہرین کے ایک گروپ کے مابین بند دروازوں کے پیچھے ہو کر کرتی تھی جبکہ ایس ڈی چیز سے متعلق بحث و تجویز کی تشکیل میں سول سوسائٹیز، حکومتوں اور بین الاقوامی فریقین بھی شامل ہوئے۔ مزید یہ کہ ایس ڈی چیز کا دائرہ عمل زیادہ وسیع ہے کہ وہ معاشی ترقی کی صورت حال سے قطع نظر تمام رکن ممالک پر قابل اطلاق ہیں۔<sup>8</sup>

### جدول 7.2.1: ایس ڈی چیز اور اہم ڈی چیز کا ایک موازنہ

ایس ڈی چیز (17 اہداف)	اہم ڈی چیز (8 اہداف)
<b>گروپ-1 (انسانی ترقی) ایس ڈی چیز 1 6۳</b>	
1 ہر جگہ سے غربت کی ہر شکل کا خاتمہ کرنا؛	1 انتہائی بھوک اور غربت کا خاتمہ کرنا
2 بھوک کا خاتمہ، خوراک کا تحفظ اور بہتر غذائیت حاصل کرنا اور مستحکم زراعت کو فروغ دینا	2 دنیا بھر میں پرائمری تعلیم کا حصول
3 سب کے لیے عمر کی ہر سطح پر صحت مند زندگی کو یقینی بنانا اور بھلائی کو فروغ دینا	3 صنعتی مساوات کو فروغ دینا اور عورتوں کو بااختیار بنانا
4 سب کے لیے جامع اور مساوی معیاری تعلیم کو یقینی بنانا اور عمر بھر پر محیط سیکھنے کے	4 بچوں کی شرح اموات میں کمی کرنا
5 صنعتی مساوات کا حصول اور تمام خواتین اور لڑکیوں کو بااختیار بنانا	5 ماؤں کی صحت بہتر بنانا
6 سب کے لیے پانی کی دستیابی اور مستحکم انتظام نیز صفائی یقینی بنانا	6 اینج آئی وی / ایڈز، ملیریا اور دیگر بیماریوں سے مقابلہ کرنا
<b>گروپ-2 (معاشی ترقی) ایس ڈی چیز 7 12۳</b>	
7 سستی، معیاری، پائیدار اور جدید توانائی تک سب کی رسائی یقینی بنانا	7
8 اس بات کے لیے کوشش کرنا کہ مستحکم، شمولیتی اور پائیدار معاشی نمو، سب کے لیے	8
9 مستحکم انفراسٹرکچر تعمیر کرنا، شمولیتی اور پائیدار صنعت کاری اور اختراعات کی حوصلہ	9
10 ممالک کے اندر اور ان کے مابین عدم مساوات میں کمی؛	10
11 شہروں اور انسانی آبادیوں کو ہمہ گیر، محفوظ، مستحکم اور پائیدار بنانا	11
12 صرف اور پیداوار کے رجحانات میں استحکام کو یقینی بنانا	12
<b>گروپ-3 (ماحولیاتی تبدیلیاں اور عالمی شراکت) ایس ڈی چیز 13 17۳</b>	
13 ماحولیاتی تبدیلیوں اور ان کے اثرات سے مقابلے کے لیے فوری اقدامات کرنا	7 ماحولیاتی استحکام کو یقینی بنانا
14 بحری، سمندری اور دریائی وسائل کا پائیدار استعمال اور تحفظ کرنا	
15 زمینی ایکوسسٹم کا تحفظ، بازیابی اور پائیدار استعمال کو فروغ دینا، جنگلوں کا پائیدار انتظام،	
16 پائیدار ترقی کے لیے پرائمن اور ہمہ گیر معاشروں کو فروغ دینا، سب کو انصاف تک	
17 عمل درآمد کے ذرائع کو تقویت دینا اور پائیدار ترقی کے لیے عالمی شراکت کی تجدید نو	8 ترقی کے لیے عالمی شراکت بڑھانا

اس ترقیاتی ایجنڈے کی ہمہ گیر نوعیت میں عالمی بینک، آئی ایم ایف، باضابطہ ترقیاتی تعاون (اوڈی اے)، حکومتوں اور نجی ڈونرز کا پر جوش فنڈنگ پلان بھی شامل ہے۔<sup>9</sup> تخمینوں کے مطابق ایس ڈی چیز کے تحت تقریباً 5 تا 7 ٹریلین ڈالر سالانہ عالمی سرمایہ کاری کی ضرورت ہے؛ جن میں سے صرف ترقی پذیر ممالک کو 3.3 تا 4.5 ٹریلین ڈالر سالانہ کی ضرورت ہوگی۔<sup>10</sup> چونکہ سرمایہ کاری کی موجودہ سطح ناکافی ہے پوائنٹ سی ٹی اے ڈی کا تخمینہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے لیے سرمایہ کاری کی کمی سالانہ 2.5 ٹریلین ڈالر ہے۔<sup>11</sup> نجی شعبہ محض 900 ارب ڈالر ہی کا احاطہ کرتا ہے جس کی وجہ سے سرکاری شعبے اور اوڈی اے کی فنڈنگ کے ذرائع پر سالانہ 1.6 ٹریلین ڈالر کا بھاری بوجھ آج پڑا ہے۔<sup>12</sup>

پاکستان بھی ایس ڈی چیز پر دستخط کرنے والے ممالک میں سے ایک ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن اور اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (یو این ڈی پی) نے پاکستان میں ایس ڈی چیز پر عمل درآمد کے لیے مفاہمت کی یادداشت پر 10 اکتوبر 2015ء کو دستخط کیے۔<sup>13</sup> امید ہے کہ عالمی کمیونٹی کی اعانت سے ہمیں وژن 2025ء کے تحت سماجی ترقی کے اہداف میں مدد ملے گی تاہم اٹھارہویں ترمیم کے بعد سے تعلیم اور صحت سے متعلق پالیسیوں کا اختیار صوبائی حکومتوں کو منتقل ہونے سے ایس ڈی چیز کی دشواریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایس ڈی چیز پر کامیاب عمل درآمد کے لیے صوبوں اور وفاقی حکومت کے مابین قریب تر تعاون کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح سماجی اور ترقیاتی شعبوں میں مقامی نجی سرمایہ کاروں کو شامل کرنا بھی ناگزیر ہوگا۔ جہاں تک بیرونی سرمایہ کاری کا تعلق ہے، پاکستان کو اوڈی اے تک رسائی اور نجی ڈونرز اور سرمایہ کاروں سے رقوم کے حصول میں دوسری اقوام سے مسابقت کرنا ہوگی۔

<sup>8</sup> اس کے مقابلے میں، اہم ڈی چیز دنیا بھر میں ترقی پذیر علاقوں میں سماجی حالت بہتر بنانے پر توجہ مرکوز رکھتی تھیں۔

<sup>9</sup> دوسری طرف اہم ڈی چیز کی فنڈنگ سرکاری امداد پر انحصار کرتی تھی۔

<sup>10</sup> یو این سی ٹی اے ڈی کے مطابق سرمایہ کاری سے مراد سرمایہ جاتی اخراجات ہیں۔

<sup>11</sup> یہ تخمینے اس لحاظ سے معتدل ہیں کہ یہ توانائی، نقل و حمل، مواصلات، پانی و صفائی، غذائی تحفظ اور زراعت، ماحولیاتی تبدیلی، حیاتی نظام میں تنوع، صحت اور تعلیم پر سرمایہ کاری کا احاطہ کرتے ہیں۔ استعداد کی تعمیر اور ادارہ جاتی ترقی کے لیے درکار سرمایہ کاری اس جائزے کا حصہ نہیں ہے۔

<sup>12</sup> عالمی سرمایہ کاری رپورٹ، ایس ڈی چیز میں سرمایہ کاری: نجی سرمایہ کاری کا اقدام، (یو این سی ٹی اے ڈی-2014ء)

<sup>13</sup> یو این ڈی پی کی معاونت سے پاکستان وفاقی دارالحکومت اور تمام صوبوں میں ایس ڈی چیز کے مراکز قائم کر رہا ہے۔

### مالی شمولیت: غربت میں کمی کا ایک ذریعہ

ایک ہمہ گیر مالی نظام صرف معاشی ترقی ہی میں حصہ نہیں لیتا بلکہ ملک کے پسماندہ حصوں کو غیر رسمی شعبے میں دستیاب مہنگی مالی خدمات کا متبادل بھی فراہم کرتا ہے۔ پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جہاں مالی شعبے تک رسائی انتہائی کم ہے: کل بالغ آبادی کا محض 2.4 فیصد حصہ ہی قرض گیری کے رسمی ذرائع استعمال کرتا ہے۔<sup>14</sup> چنانچہ حکومت اور اسٹیٹ بینک پاکستان نے ایک وسیع قومی مالی شمولیتی حکمت عملی وضع کی تاکہ ملک میں مالی شمولیت کی پست سطح کی ذمہ دار رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔ قومی مالی شمولیتی حکمت عملی کا ہدف یہ ہے کہ 2020ء تک بالغ آبادی کے 50 فیصد حصے کو رسمی مالی خدمات تک رسائی حاصل ہو جائے، اس کے ترجمینی شعبے برانچ لیس بینکاری، ڈیجیٹل ادائیگی کے نظام، زرعی اور مائیکرو اور ایس ایم ای انٹرپرائز مائیکرو، مکاناتی مائیکرو، اسلامی مائیکرو، تحفظ صارف، مالی خواندگی، بیمہ اور پنشن وغیرہ ہیں۔ یہ حکمت عملی بالخصوص اختراعاتی مالی خدمات میں رکاوٹ پیدا کرنے والے موجودہ قانونی فریم ورک پر نظر ثانی بھی کرتی ہے۔

اس حکمت عملی کے مقاصد کے حصول کے لیے مستقل پیش رفت جاری ہے۔ مثال کے طور پر اسٹیٹ بینک زرعی مائیکرو کے فروغ کے لیے کئی اقدامات متعارف کروا چکا ہے۔ ان میں چھوٹے اور پسماندہ کسانوں کے لیے قرضہ ضمانت اسکیموں پر عمل درآمد، مویشی اور فصلوں کے بیبے کی اسکیمیں، زرعی قدری سلسلے کی مائیکرو، اور استعداد و آگاہی کی تعمیر کے پروگرام شامل ہیں۔ اسی طرح خرد مائیکرو کی حوصلہ افزائی کے لیے اسٹیٹ بینک نے قرضہ ضمانت اسکیمیں متعارف کرائی ہیں اور مجموعی اکتشاف کے ساتھ بروقت ادائیگیوں میں سہولت کے لیے ڈیجیٹل قرضوں میں توسیع کی اجازت دی ہے۔ خرد مائیکرو بینکاری صنعت نے مالی سال 16ء میں اپنے چھوٹے قرضوں کے جزدان میں 59.9 فیصد (یا 27.3 ارب روپے) اضافہ کر کے اسے 72.9 ارب روپے تک بڑھالیا۔ اسی طرح قرض گیریوں کی تعداد میں بھی 31.2 فیصد نمو دیکھی گئی جو 1.7 ملین سے زائد ہو گئے۔

اسی طرح، خواتین کی معاشی خود مختاری میں اضافے کی غرض سے خواتین تاجروں تک مالی وسائل کے بہاؤ میں اضافے کے لیے اجتماعی کوششیں کی گئی ہیں۔<sup>15</sup> خواتین کو مالی طور پر خود مختار بنا کر ان کے تعلیمی اور صحت سے متعلق مسائل دور کرنے کو ہدف بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اس حکمت عملی کے تحت دیہی علاقوں میں کسانوں کو مالی خدمات فراہم کرنے کی غرض سے موجودہ قانونی فریم ورک پر نظر ثانی کی جا رہی ہے جو اختراعاتی مالی خدمات میں رکاوٹ بنتا ہے۔

برانچ لیس بینکاری کے لیے اسٹیٹ بینک سادہ شکل والے کھاتوں - ایم والٹس - کی ایک سطح بنانے اور برانچ لیس بینکاری ایجنٹ نیٹ ورک وسیع کرنے پر زور دے رہا ہے۔ خوش قسمتی سے پاکستان کو موبائل فون ربط سازی (132 ملین صارفین)، ڈیجیٹل شناختی تصدیق (نادرا میں 97 فیصد بالغ آبادی کی کوریج)، ایجنٹس کا بڑا نیٹ ورک، ادائیگیوں کی ربط سازی کے پلیٹ فارم (ون لنک)، متعلقہ فریقوں کے مابین باہمی اشتراک، اور شفافیت و اکتشاف کے لحاظ سے برانچ لیس بینکاری کی نمو کے لیے سازگار مارکیٹ کا ماحول دستیاب ہے۔ جون 2016ء کے اختتام تک برانچ لیس بینکاری کھاتوں کی تعداد 14.6 ملین تک بڑھ چکی تھی؛ ان کھاتوں میں امانت کا اوسط حجم 769 روپے تھا۔ ان کھاتوں کو کھولنے اور سنبھالنے کے ذمہ دار ایجنٹوں کی تعداد بڑھ کر 346،716 ہو گئی تھی۔

بحیثیت مجموعی، رسائی کے مراکز بڑھ رہے ہیں، اور رسمی مالی اداروں کی جانب سے پیش کردہ مصنوعات میں تنوع نظر آرہا ہے۔ بالخصوص برانچ لیس بینکاری حکومت سے افراد کو (جی 2 پی) کی جانے والی ادائیگیوں، خاص طور پر بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام، وطن کارڈز، اور بڑھاپے کی مراعات کا قومی ادارہ (ای او بی آئی) کی شفاف اور

<sup>14</sup> مالیات تک رسائی کا سروے، ایس بی پی - تفصیلات کے لیے دیکھیے، خصوصی شعبہ 1: پاکستان کے جی ڈی پی میں قرضے کا تناسب کیوں کم ہو رہا ہے؟ علاقائی معیشتوں کے ساتھ ایک موازنہ، ایس بی پی سالانہ رپورٹ برائے پاکستان کی معاشی حالت 2014-15۔

<sup>15</sup> غربت کے خاتمے کے لیے فنڈز کے ذرائع تلاش کرنے کے ساتھ بین الاقوامی ایجنسیوں، جیسے آئی ایل او، یو این ڈی پی، اور سی آئی ڈی اے کے ساتھ باہمی تعاون کے انتظامات کیے گئے ہیں تاکہ آمدنی پیدا کرنے کے با سہولت منصوبوں کی مائیکرو کی کاروباری خواتین کی شناخت و جائزہ لیا جاسکے۔

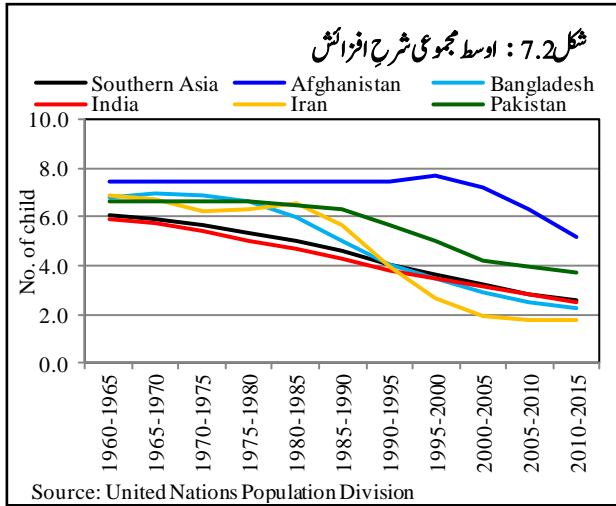
فوری ادائیگی میں اہم کردار ادا کرنے لگی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انتہائی غریب افراد بر سبھی مالی نظام سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، توقع ہے کہ اس سے ملک کے مالی انفراسٹرکچر اور حکومت کی اعانتی اسکیموں پر ان کا اعتماد مضبوط ہوگا۔

اس باب کے باقی حصے میں پاکستان کی سماجی ترقی کی حالیہ صورت حال، آبادی کی خصوصیات و مسائل، غربت، آمدنی میں عدم مساوات، صحت عامہ، اور تعلیم کا احاطہ کرتے ہوئے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

## 7.2 آبادی کی حرکیات

پاکستان کو 188.9 ملین سے زائد آبادی کے تخمینے (2015ء)، اور سالانہ 2.1 فیصد اوسط شرح نمو (2010ء تا 2015ء) کے ساتھ 2050ء تک 120.7 ملین مزید لوگوں کو گزر بسر کی فراہمی کے بڑے ہدف کا سامنا ہے۔<sup>16</sup> نو ممالک کے بارے میں توقع ہے کہ وہ 2015ء سے 2050ء تک کے دوران عالمی آبادی میں متوقع اضافے (یعنی 2.8 ارب افراد) میں نصف سے زائد کے ذمہ دار ہوں گے، ان ملکوں میں پاکستان اپنے حصے کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہوگا۔<sup>17</sup>

آبادی کی شرح نمو کئی داخلی و خارجی عوامل پر منحصر ہے چنانچہ تخمینوں پر قدرتی طور پر غیر یقینی صورت حال اثر ڈالتی ہیں، تاہم یہ ایک آفاقی تصور بھی ہے کہ شرح افزائش (جو کہ مجموعی شرح افزائش سے ناپی جاتی ہے) آبادی میں نمو کا بنیادی محرک ہوتی ہے، جبکہ ہجرت اور اموات ثانوی کردار ادا کرتی ہیں۔



اگرچہ سرکاری و غیر سرکاری ذرائع سے حاصل کردہ اعداد و شمار پاکستان کی مجموعی شرح افزائش میں بتدریج کمی ظاہر کرتے ہیں (جو کہ، ایک عورت کی تولیدی عمر کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد ہے)، مطلق سطحوں پر یہ نمایاں طور پر مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر تازہ ترین معاشی سروے (2015-16ء) نے ملک کی حالیہ مجموعی شرح افزائش (ٹی ایف آر) کا تخمینہ 3.1 لگایا ہے جو کہ پاپولیشن کونسل کے حالیہ تخمینے 3.9 سے خاصا کم ہے۔<sup>18</sup>

اگرچہ پاکستان کی اوسط ٹی ایف آر 65-1960ء کی 6.6 سے گھٹ کر 2010-15ء میں 3.7 پر آگئی ہے (جنوبی ایشیا میں افغانستان کے بعد دوسرے نمبر پر) تاہم اس کمی کی رفتار کافی آہستہ ہے۔ جیسا کہ شکل 7.2 میں دیکھا جاسکتا ہے،

<sup>16</sup> اقوام متحدہ کے اوسط متبادل کے تحت، پاکستان کی آبادی 2050ء تک 1.44 فیصد کی اوسط سالانہ نمو کے ساتھ اندازاً 309.6 ملین ہو جائے گی۔ ان اندازے پر مبنی مفروضات کے مختلف متغیرات کی مزید تفصیل "Methodology of the UN Population Estimates and Projections" نامی دستاویز میں موجود ہے جو <https://esa.un.org/unpd/wpp/Publications/> پر دستیاب ہے۔ یو این پاپولیشن ڈویژن کے اندازے کے مطابق 2015ء میں پاکستان کی آبادی 188.9 ملین ہے جو اس کی دستاویز "World Population Prospects 2015" میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم معاشی سروے 2015ء تا 2016ء کے اندازے کے مطابق 2016ء میں پاکستان کی آبادی 195.5 ملین ہے۔

<sup>17</sup> پلاننگ کمیشن 2025ء کی دستاویز کا درست مشاہدہ ہے کہ "ہر سال پاکستان میں نیوزی لینڈ کی آبادی کے برابر اضافہ ہو جاتا ہے۔"

<sup>18</sup> متبادل زمینی منظر نامے کے تحت سندھ کی معاشی نمو کے اندازے: شرح پیدائش میں تیزی سے کمی کی حالت، پالیسی اختصار ستمبر 2015ء، پاپولیشن کونسل۔



بگلدہ دیش جس کی اوسط ٹی ایف آر 65-1960ء میں پاکستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی وہ اسی مدت کے دوران اس میں تین گنا کمی لانے میں کامیاب ہو گیا۔<sup>19</sup>

اس کے علاوہ دیہی و شہری علاقوں میں بھی ٹی ایف آر کی شرحوں میں خاصا فرق دکھائی دیتا ہے۔ شہری علاقوں میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کا پست تناسب اس کا ایک اظہار یہ ہے جو بتاتا ہے کہ شرح افزائش میں حالیہ کمی دیہی کی نسبت شہری علاقوں میں زیادہ نمایاں ہے۔<sup>20</sup> مزید برآں حالیہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ایک عورت جس نے کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی وہ اپنی زندگی میں اوسطاً دو زائید پیدا کرتی ہے بہ نسبت اس عورت کے جس نے اعلیٰ ثانوی تعلیم مکمل کی۔<sup>21</sup> یہ دو نکات پالیسی کے لیے اہم مضمرات رکھتے ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ دیہی ماحول میں خاندانی منصوبہ بندی اور خواندگی مہم نئے جوش سے شروع کرنے کی ضرورت ہے۔

### آبادیاتی نفع کا آغاز

یہ آبادیاتی پیش گوئیاں یقیناً تمام متعلقہ فریقوں کے لیے لمحہ فکریہ ہونی چاہئیں، تاہم ان سے حاصل ہونے والے مواقع کا ادراک بھی یکساں اہم ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کا مطلب وسائل پر مزید دباؤ ہے، تاہم عمر کا بدلتا ہوا ڈھانچہ پاکستان کو مستقبل میں معاشی نمو کا نادر موقع فراہم کرتا ہے۔ پاکستان آبادیاتی تبدیلی کے تیسرے مرحلے میں گردانا جاتا ہے جہاں شرح پیدائش اور شرح اموات دونوں ہی کم ہو رہی ہیں اور آبادی کی شرح نمو خاصی کم ہو چکی ہے۔<sup>22</sup> اس آبادیاتی تبدیلی کا ایک نتیجہ نام نہاد "آبادیاتی نفع" ہے، جس کا مطلب ہے وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ مواقع جو یہ تبدیلیاں فی کس پیداوار بڑھانے کے لیے لائی ہیں اور جن کا دورانیہ تقریباً 40 سے 50 سال ہے۔ اس مدت کے دوران، کام کرنے کے قابل آبادی کا تناسب نمایاں طور پر بڑھ جاتا ہے، اور اس کی وجہ اُن بچوں کے تناسب میں کمی ہوتی ہے جو بڑوں پر انحصار کرنے والی عمر میں ہوں۔<sup>23</sup> دیگر ممالک میں آبادیاتی نفع کو معاشی ترقی کو مہمیز دینے والا ایک اہم عامل سمجھا جاتا ہے۔<sup>24</sup>

پاکستان کی آبادی جس کی اوسط عمر تقریباً 22.5 سال ہے، مقابلتاً خاصی نوجوان ہے اور 1991ء تا 2013ء کے دوران اس میں بہت کم تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے؛ 25 سال سے کم عمر آبادی کا تناسب 60 سے 63 فیصد رہا ہے۔ اسی دوران 15 سال سے کم عمر آبادی کا تناسب کے 45 فیصد سے کم ہو کر 39 فیصد رہ گیا ہے (جو اس مدت کے دوران شرح افزائش میں کمی کی جانب اشارہ کرتا ہے)۔ چنانچہ کام کرنے والی عمر (15 تا 59 سال) کی آبادی کا تناسب بڑھ گیا ہے، جبکہ بزرگوں (60 سال اور زائد) کے تناسب میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔

بہ الفاظ دیگر، انحصار کی شرح، جو کہ انحصار کرنے والی آبادی (صفر تا 14 سال، اور 65 اور اس سے زائد)، اور کام کرنے کے قابل آبادی (15 سے 64 سال) کے مابین تناسب ہے، کم ہو رہا ہے۔ انحصار کی شرح میں مستقل کمی آبادیاتی نفع کے آغاز کو ظاہر کرتی ہے۔ کام کرنے کے قابل آبادی کی بڑی تعداد سے ایک طرف زیادہ آمدنی اور بچت کرنے کا موقع فراہم ہو گا تو دوسری طرف اُن وسائل کا رخ بھی مڑنا چاہیے جو اس سے پہلے بچوں کی نگہداشتِ صحت اور تعلیم پر استعمال کیے جا رہے تھے۔

<sup>19</sup> ماخذ: یونائیٹڈ نیشنز پاپولیشن ڈویژن۔

<sup>20</sup> آخری دستیاب پاکستان آبادیاتی اور صحت کے سروے (2013-2012) کے تخمینے کے مطابق دیہی علاقوں کے 4.2 کے مقابلے میں شہری علاقوں کی ٹی ایف آر 3.2 تھی۔

<sup>21</sup> ماخذ: پاکستان آبادیاتی اور صحت کا سروے (2013-2012)

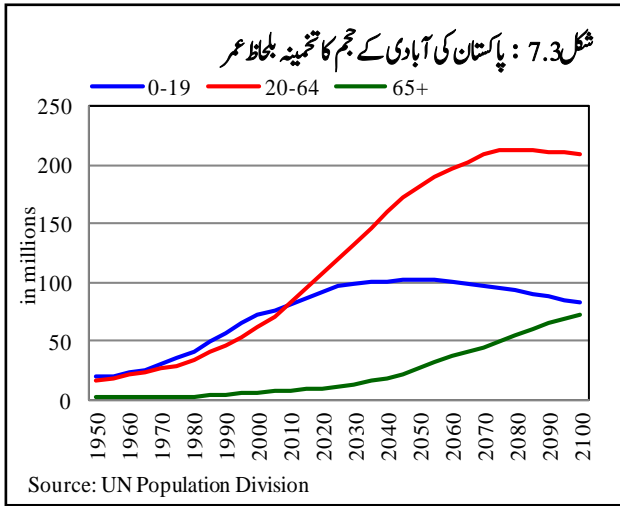
<sup>22</sup> عالمی بینک کے مطابق، 1960ء سے 2014ء تک پاکستان کی خام شرح پیدائش (فی 1000 افراد میں زندہ پیدا کی گئیوں کی تعداد) کم ہو کر 44 سے 29 ہو گئی، جبکہ اس کی خام شرح اموات فی ایک ہزار افراد میں 21 سے کم ہو کر 7 رہ گئی۔

<sup>23</sup> جیسا کہ پاپولیشن کونسل نے اپنی اشاعت "پاکستان میں آبادیاتی تقسیم کے حصے کا احاطہ"، مصنفہ زبیراے ساتھر، ربی روین، اور جان بون گارٹس و دیگران، میں واضح کیا ہے۔

<sup>24</sup> دراصل بلوم اور ولیم سن (1997) مشرقی ایشیا کے اقتصادی معجزے میں 25 تا 40 فیصد ترقی کو علاقائی ممالک کی آبادی کے عبوری دور سے منسوب کرتے ہیں، جن کا انہیں اس وقت تجربہ ہوا تھا۔ (ماخذ: Bloom E.

David and Williamson G. Jeffrey, "Demographic Transitions and Economic Miracles in Emerging Asia", NBER Working Paper Series, No. 6268,

(November 1997)



دوسری بات یہ ہے کہ عمر کی ساخت کا موجودہ ڈھانچہ بھی مستقبل میں تبدیل ہو جائے گا۔ ٹی ایف آر میں کمی کا مطلب ہے کہ نوجوان نسل کی نمو کا تناسب بھی بڑی عمر کی آبادی کے مقابلے میں بتدریج کم ہوتا جائے گا۔ جیسا کہ شکل 7.3 میں دکھایا گیا ہے، 19 سال سے کم عمر آبادی اپنے استحکام کے سفر پر گامزن ہے (افزائش میں کمی کے نتیجے میں)، جبکہ 65 سال یا اس سے زائد عمر کی آبادی (جو ابھی مجموعی آبادی کا چھوٹا سا تناسب ہے) کی نمو میں 2050ء کے بعد تیزی کا امکان ہے، جو انحصار کا تناسب بڑھنے کی جانب لے جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ آبادیاتی نفع سے فائدہ اٹھانے کا ملک کے پاس کم وقت رہ گیا ہے (باکس 7.3)۔

### باکس 7.3: آبادیاتی نفع کب ختم ہو رہا ہے؟

نظری اعتبار سے، جب کام کرنے کے قابل آبادی اور مجموعی آبادی کی شرح نمو کے درمیان فرق کام کرنے کے قابل آبادی کے حق میں ہو تو اسے کہا جائے گا کہ آبادیاتی نفع رو بہ عمل ہے [مسن (2005ء) اور درنایاب (2006ء)]۔ اس تصور کا جب آبادی کے متعدد ڈیٹا سیٹ پر اطلاق کیا جائے تو ایک دلچسپ تصویر بنتی ہے۔

درنایاب (2006ء) کے بقول اقوام متحدہ کے 2005ء کے اندازوں کے مطابق پاکستان 1980ء کی دہائی کے اواخر سے 2045ء تک آبادیاتی نفع حاصل کرنے کے لیے تیار تھا۔ 2013ء میں پاپولیشن کونسل نے اس آبادیاتی نفع کا از سر نو جائزہ لیا، اپنے آبادی کے تخمینوں کو اس پر منطبق کیا اور اقوام متحدہ کے 2010ء کے آبادیاتی تخمینوں پر نایاب (2006ء) کے تخمینوں کی نظر ثانی کی۔ نظر ثانی شدہ تخمینے ظاہر کرتے ہیں کہ آبادیاتی نفع 1980ء کی دہائی کے اواخر میں شروع نہیں ہوا جیسا کہ نایاب (2006ء) نے پہلے خیال ظاہر کیا تھا بلکہ یہ تاخیر سے 1990ء کی دہائی کے آغاز یا وسط سے شروع ہوا۔

نایاب کی تحقیق کا دوبارہ تخمینہ جب اقوام متحدہ کے حالیہ تخمینوں (2015ء) پر منطبق کیا گیا تو پتہ چلا کہ (سابقہ مجوزہ 2045ء کے مقابلے میں) آبادیاتی نفع 2040ء میں اختتام پذیر ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ کام کرنے کے قابل آبادی کی شرح نمو اور مجموعی آبادی کی شرح نمو 2019ء کے آس پاس کچھ عرصہ کے لیے تقریباً برابر ہو جائیں گی جبکہ ان برسوں کے دوران افزائش میں کمی کی رفتار میں اختلاف account for variances۔ اسی طرح کا ایک رجحان یہ ظاہر کرتا ہے کہ ”موافقہ امکان“ یا پاکستان میں آبادیاتی نفع کا دورانیہ (اوسطاً) گھٹ جگہ 1990ء سے 2045ء تک ہو گا۔<sup>25</sup>

### 7.3 غربت اور آمدنی میں عدم مساوات

بلند شرح پیداوار اور ملک کے آبادیاتی نفع سے معاشی فوائد حاصل نہ کر سکنے کا ایک براہ راست نتیجہ غربت اور آمدنی میں عدم مساوات ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں انتہائی غربت کے شکار لوگوں کی تعداد ایم ڈی جی کی معینہ مدت کے دوران نصف ہو چکی ہے<sup>26</sup> تاہم اس کا تجزیہ آمدنی میں عدم مساوات کی روشنی میں کرنے کی ضرورت ہے: سرکاری طور پر ”غربت“ قرار دیے جانے والوں کی مجموعی تعداد کم ہو رہی ہے لیکن آبادی کے غریب ترین پانچویں حصے کی آمدنی اتنی تیزی سے نہیں بڑھ رہی کہ ان کی زندگیوں میں کوئی معنی خیز تبدیلی لاسکے۔

<sup>25</sup> ماخذ: متبادل زمینی منظر نامے کے تحت سندھ کی معاشی نمو کے اندازے: شرح پیداوار میں تیزی سے کمی کی حالت، پالیسی اختصار ستمبر 2015ء، پاپولیشن کونسل۔

<sup>26</sup> پاکستان میں فی کس غربت کا تناسب (بنیادی ضروریات کی لاگت پر مبنی) 1198-99 کے 57.9 فیصد سے کم ہو کر 14-2013 میں 29.5 فیصد ہو گیا (ماخذ: پاکستان کا معاشی سروے 2015-16)۔

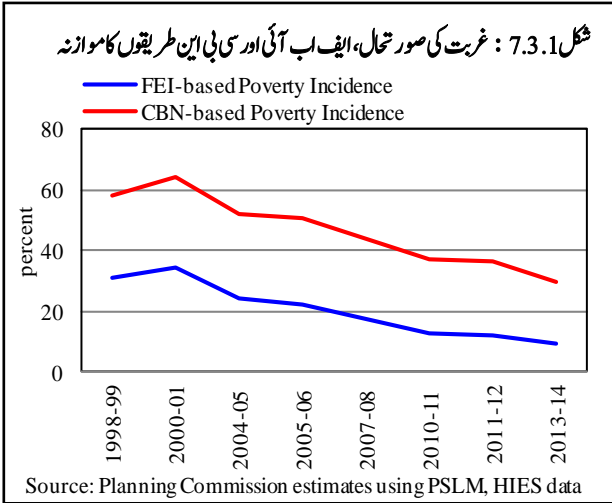
مزید بر آں، غریبوں کی مجموعی تعداد میں بحیثیت مجموعی کمی آنے کے باوجود (یعنی لوگوں کی وہ تعداد جو خطِ غربت سے نیچے رہ رہی ہے) ایسے شہر اور ضلعے موجود ہیں جہاں غربت کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔<sup>27</sup> اس کے علاوہ (جیسا کہ بعد میں بحث ہوگی) غریبوں کی تعداد میں مطلق کمی سے ان محرومیوں کی درست عکاسی نہیں ہوتی جن سے غریب افراد گزرتے ہیں، کیونکہ اس کمی میں صحت اور تعلیم جیسے سماجی اخراجات سے متعلق لاگتیں اور خرچے عام طور پر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔

جدول 7.4.1: قومی غربت کی لکیر میں	
سال	قومی غربت کی لکیر
1998-99	693.40 روپے
2000-01	723.40 روپے
2004-05	878.64 روپے
2005-06	948.47 روپے
2007-08	1,141.53 روپے
2010-11	1,745.00 روپے
2015-16*	3,030.00 روپے

ماخذ: پاکستان کا معاشی سروے 2013-14۔

**باکس 7.4: سرکاری خطِ غربت کا ارتقا**

پاکستان نے غربت کا تخمینہ لگانے کا جو طریقہ کار 2001ء میں اختیار کیا تھا اس کی اساس تھی غذائی توانائی کا حصول (Food Energy Intake- FEI)۔ منصوبہ بندی کمیشن نے 1998-99ء کے صرف کے اعداد و شمار استعمال کرتے ہوئے سرکاری خطِ غربت کا تخمینہ یہ لگایا تھا کہ ماہانہ 637.54 روپے لینے والا شخص غریب ہے، اور اس تخمینے کی بنیاد یہ تھی کہ توانائی کا پست ترین یومیہ استعمال 2,350 کلو کیلوریز ہے۔ بعد ازاں کئی خطِ غربت متعین کیے گئے جن میں گرانی کے لحاظ سے مطابقت لائی گئی تھی کہ 11-2010ء تک طے ہوا کہ فی بالغ فرد ماہانہ 1,745 روپے کے مساوی رقم سرکاری طور پر خطِ غربت سے نیچے تصور کی جائے گی (جدول 7.3.1)۔ تاہم کیلوری کی بنیاد پر اس طریقہ کار میں نقائص 2007-08ء ہی میں سامنے آنا شروع ہو گئے تھے جب غربت کا تخمینہ 17.2 فیصد لگایا گیا حالانکہ عالمی مالی بحران اور اس کے اثرات ملکی معیشت پر پڑنے لگے تھے۔<sup>28</sup> مزید شکوک و شبہات اس وقت ظاہر کیے گئے جب پاکستان کے سماجی اور طرز حیات کا معیار جاننے کے لیے سروے 2010-11ء (پلی ایس ایل ایس ایم ایس) سے معلوم ہوا کہ 2008ء کی غربت 17.2 فیصد سے کم ہو کر 2011ء میں 12.4 فیصد رہ گئی ہے۔ ملک میں اس وقت کی سماجی و معاشی صورت حال میں یہ اعداد و شمار ناقابل اعتبار سمجھے گئے۔



غذائی توانائی کے حصول کے طریقہ کار کی خرابیوں پر غور، اور دوسرے ملکوں میں غربت ناپنے کے لیے اختیار کردہ طریقوں کا مطالعہ کرنے کے بعد منصوبہ بندی کمیشن نے 2016ء میں 'بنیادی ضروریات کی لاگت' (Cost of Basic Needs - CBN) کا طریقہ اپنایا۔ سی این بی این کا طریقہ آج کے اکثر ترقی پذیر ملکوں میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اس طریقے میں متعلقہ گروپ کے گھرانوں کے انداز صرف پر توجہ دی جاتی ہے۔ نظر ثانی شدہ متعلقہ گروپ فی بالغ فرد کے مساوی ضروری اخراجات کے حساب سے تقسیم میں 10 سے 40 ویں صدویے کے تحت آنے والے گھرانوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ نیا خطِ غربت زیادہ نمائندگی کا حامل ہو۔ اس میں گھرانوں کے غذا پر اوسط اخراجات (کیلوری کے حصول کی بنیاد پر)، اور ضروری غیر غذائی اخراجات کا تخمینہ بھی لگایا جاتا ہے۔ پرانے (ایف ای آئی) اور نئے (سی این بی این) طریقہ کار کو استعمال کرتے ہوئے غربت کی 1998-99ء سے لے کر 2013-14ء تک کی صورت حال شکل 7.3.1 میں پیش کی گئی ہے۔

ایف ای آئی طریقے کے مطابق 2013-14ء میں مجموعی آبادی کا صرف 9.3 فیصد حصہ (یا 17 ملین افراد) خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہا تھا۔ دوسری طرف نئے سی این بی این پر مبنی طریقہ کار سے پتہ چلتا ہے کہ آبادی کا 29.5 فیصد یا 55 ملین افراد اس سال خطِ غربت سے نیچے تھے۔ اس نئے خطِ غربت کو اس سے پہلے کے برسوں میں وضع کیا جائے تب بھی 1998-99ء تک اسی طرح کے فرق سامنے آتے ہیں۔ تعداد میں فرق کے باوجود رجحان برقرار رہا: ملک میں غربت کم ہو رہی ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ عشرے میں فی کس غربت میں کمی کرنے والے ممالک میں پاکستان تنہا نہیں ہے۔ عالمی بینک نے تخمینہ لگایا کہ عالمی غربت سب سے پہلی بار 2015ء میں 10 فیصد سے کم ہوئی ہے۔ عالمی بینک نے ملکوں کے مابین طرز زندگی کی لاگت کے فرق (2011ء کی پی پی پی مبادلہ شرح کی بنیاد پر) کی معلومات کو شامل کرتے ہوئے فی کس غربت ناپنے کے لیے 1.9 ڈالر یومیہ کی نئی حد کا آغاز کیا ہے۔ یہ نئی حد دنیا کے غریب ترین ممالک میں گزشتہ حد (2005ء کی قیمتوں پر 1.25 ڈالر یومیہ) کی حقیقی قوت

<sup>27</sup> بہت مختلف زمینی خاکے اور دشواریوں کے باوجود 2004-15 کے دوران سندھ اور بلوچستان کے مطلق ایم پی آئی اسکور میں تقریباً ایک جیسی کمی آئی ہے، یہ پنجاب اور خیبر پختونخوا میں کی جانے والی کمی سے بہت زیادہ پست تھی (ماخذ: پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ، 2016ء)

<sup>28</sup> ماخذ: پاکستان کا معاشی سروے 2015-16

خرید کو محفوظ کرتی ہے۔ عالمی بینک کے دستیاب ڈیٹا کے حوالے سے غریبوں کی مجموعی تعداد میں کمی کے معاملے میں گزشتہ تقریباً ایک عشرے میں چین اور انڈونیشیا کے علاوہ بھارت نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔

### کثیر الجہتی غربت

جدول 7.2: کثیر الجہتی غربت کی تخمینہ بندی	
درجہ بندی	اظہار یہ
16.67	شعبے
12.5	تعلیمی سال
4.17	بچوں کی اسکول جانے کی عمر (11 تا 6 برس)
16.67	اسکول کا معیار
5.56	صحت کی سہولیات تک رسائی
5.56	مامونیت
5.56	دوران حمل دیکھ بھال
4.76	معاونت پر مبنی زچگی
4.76	پانی
4.76	صفائی
2.38	دیواریں
2.38	گنجانیت (ایک کمرے میں 4 یا اس سے زائد لوگ)
4.76	بجلی
4.76	کھانا پکانے کا ایندھن
4.76	اتانے / طہنی آلات
4.76	موبیٹی (صرف دیہی علاقوں کے لیے)
ماخذ: پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ	

اس سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ پاکستان نے مایوس کن معاشی نمو، غذا اور توانائی کی بلند قیمتوں، بجلی کی کمی، بے روزگاری، دہشت گردی سے متعلق انتشار کے باوجود غربت کے واقعات میں مناسب کمی لانے میں کامیابی حاصل کی جس سے کچھ دلچسپ سوال بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس نے حکومت کو زیادہ شمولیت اور غربت کے غیر آمدن اقدامات کی سمت کام کرنے کے لیے بھی رہنمائی فراہم کی۔ اس کے نتیجے میں 2016ء میں ملک کا پہلا کثیر الجہتی اشاریہ غربت شائع ہوا جو آبادی کے 38.8 فیصد حصے کو کثیر الجہتی غریب کے طور پر درجہ بند کرتا ہے۔<sup>29</sup>

تعلیم، صحت اور معیار زندگی کو کور کرتے ہوئے (کل 15 اظہاریوں کے ذریعے ناپ کر)، جیسا کہ جدول 7.2 میں دکھایا گیا ہے ایم پی آئی کو غربت کے غیر زری پہلو پر مرکوز کرتے ہوئے غربت کے وسیع تر زمینی خاکے کو دکھانے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ غربت کو اس کی بنیاد پر ناپنے کے لیے ایک زیادہ محیط طریقہ ہے لیکن یہ کثیر الجہتی پالیسیوں کے بھی اس سے متاثر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

ایم پی آئی کے طریقہ کار کے پچھلی تاریخ کے پی ایس ایل ایم ڈیٹا پر اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی سطح پر کثیر الجہتی غربت کے واقعات میں 05-2004 کے 55.2 فیصد سے کم ہو کر 15-2014 میں 38.8 فیصد رہ گیا۔ اظہاریوں کے حوالے سے بلند ترین مطلق کمی اثاثوں / آلات کے تصرف اور صفائی کی سہولیات اور خوردنی ایندھن تک رسائی میں درج کی گئی۔<sup>30</sup> تاہم، بہتری درج کرنے کے باوجود خوردنی تیل اب بھی وہ اظہاریہ ہے جس میں سب سے زیادہ لوگ (آبادی کا 60.6 فیصد؛ جس میں امیر غریب کی تفریق نہیں) محروم سمجھے جاتے ہیں۔<sup>31</sup> اسے تعلیمی سال (آبادی کے 48.5 فیصد لوگ محروم سمجھے جاتے ہیں)، گنجانیت (38.3 فیصد) اور صحت کی سہولیات تک رسائی (32.4 فیصد) سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

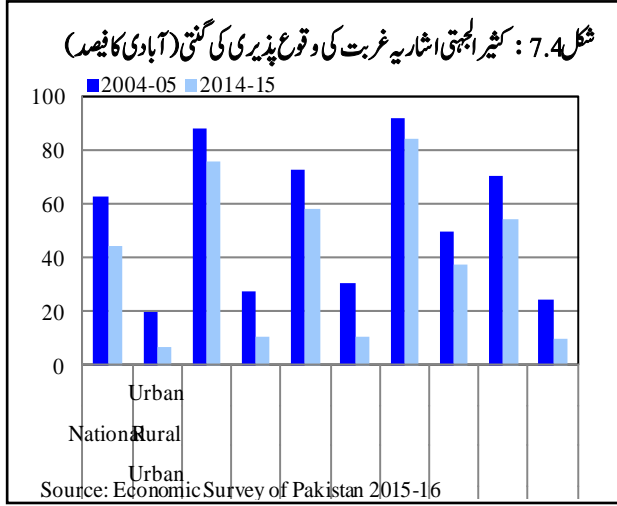
لیکن سب سے اہم یہ ہے کہ، ایم پی آئی (نی کس غربت کی تعداد فراہم کرنے کے ساتھ) غریبوں کا لاحق محرومیوں کی "شدت" ناپنا بھی ممکن بناتی ہے۔<sup>32</sup> جس کے نتیجے میں کوئی بھی ایم پی آئی کو استعمال کرتے ہوئے بہتریوں کے معیار، جو ملک میں غربت میں کمی کے حوالے سے درج کیے گئے تھے، پر عقلی نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ پاکستان میں

<sup>29</sup> اگر کوئی فرد جدول 7.2 میں دکھائے گئے 15 اظہاریوں میں سے کم از کم پانچ (ایک تہائی) سے "محروم" پایا گیا تو وہ فرد کثیر الجہتی غریب سمجھا جائے گا۔ ہر اظہاریے کے لیے محرومی کے معیارات پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ میں علیحدہ سے بیان کیے گئے ہیں۔

<sup>30</sup> ماخذ: پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ، مصنفہ وزارت منصوبہ بندی، ترقیات اور اصلاحات بہ معاونت اوکسفورڈ غربت اور انسانی ترقی کے اقدامات اور یو این ڈی پی، پاکستان

<sup>31</sup> اگر کسی فرد کا گھر اتنا کھانا پکانے کے لیے ٹھوس ایندھن (کھڑی، کولڈ، گوبر، وغیرہ) کا استعمال کرتا ہے تو وہ کھانا پکانے کے ایندھن سے محروم سمجھا جائے گا (ماخذ: پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ)

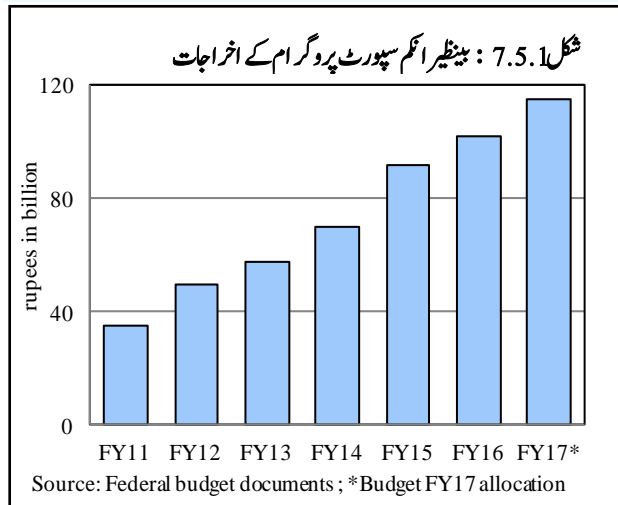
<sup>32</sup> کسی فرد یا گھر انے کے لیے ایک اظہاریے میں "محروم" سمجھے جانے کا مطلب ہے کہ وہ اس اظہاریے کی کم ترین سطح سے نیچے ہیں۔ ہر اظہاریے کی محرومی کی کم ترین سطح کی تفصیلات کے لیے پاکستان میں کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ دیکھیے۔ "شدت" کی اصطلاح ان اظہاریوں کی (15 میں سے) اس فیصد کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کے مطابق ایک کثیر الجہتی غریب محروم سمجھا جاتا ہے۔



کثیر الجہتی غربت کی رپورٹ (ملٹی ڈائمینشنل پاورٹی پاکستان رپورٹ) کے مطابق 2004-5ء سے 2014-15ء کے دوران (ملکی سطح پر) محرومی کی شدت میں 52.9 فیصد سے 50.9 فیصد کی معمولی کمی آئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر غریب آدمی اوسطاً بھاری اظہاریوں کا تقریباً نصف محروم ہے، اور گزشتہ 10 برس میں اس میں معمولی کمی آئی ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ مجموعی آبادی کثیر جہتی غربت سمجھی جاتی ہے لیکن اس میں 2004-05ء سے 2014-15ء کے دوران خاصی کمی آئی ہے، اور اب پس ماندہ لوگوں کا ایک ذیلی گروپ ہے جو حکومت کی غربت میں خاتمے کی کوششوں کے باوجود بھی غربت کے جال سے نہیں نکل سکتے۔ یہ اس امر کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم غریب ترین لوگوں کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اس غربت سے نکالنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

دریں اثناء، دیہی / شہری تقسیم کے ساتھ ساتھ صوبوں بھر میں قطعی کثیر جہتی غربت کے درجات میں وسیع تر تنوع ہے۔ نمایاں طور پر، نصف سے زائد آبادی (54.6 فیصد) جو دیہات میں رہتی ہے کثیر جہتی غربت کے زمرے میں آتی ہے، جبکہ محض 9.3 فیصد شہروں میں ہے (شکل 7.4)۔ بلوچستان کی صورت حال بدترین تھی کیونکہ اس کے شہری اور دیہی علاقوں میں غربت کے واقعات کی شرح دیگر صوبوں کے مقابلے میں خاصی بلند تھی، حیران کن طور پر بلوچستان کے دیہی علاقوں میں رہائش پذیر 86.4 فیصد لوگ غریب ہیں۔ یہاں ہم اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالنا چاہیں گے کہ بلوچستان جس کی 71 فیصد آبادی کثیر جہتی غربت سمجھی جاتی ہے اس کی فی کس ایم پی آئی کمی بھی اسی مدت میں سب سے پست (14.9 فیصد) رہی۔

#### ہاگس 7.5: غربت میں کمی کی وضاحت



غربت میں بحیثیت مجموعی یہ کمی ایک ایسے دور میں آئی جبکہ ملکی معیشت میں نمونہ رہی اور مالیاتی یکجائی بھی جاری رہی چنانچہ اسے ممکن بنانے والے عوامل کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

**سماجی تحفظ کے ادارے:** ہماری رائے ہے کہ ملک میں غربت میں کمی لانے میں سماجی تحفظ کے اداروں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے اہم سہولت بینظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) ہے جسے 2009ء میں شروع کیا گیا تھا، جب عالمی مالی بحران آیا ہوا تھا اور ملک میں گرانی دوہندسی تھی۔ بی آئی ایس پی بنیادی طور پر غریب اور شادی شدہ خواتین (یعنی شادی شدہ کے ساتھ ساتھ بیواؤں اور مطلقہ خواتین بھی) کے لیے ہے، اس پروگرام نے غربت کم کرنے اور خواتین کو بااختیار بنانے کے دہرے چیلنج سے نمٹنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سہولت کے اہل افراد کو فی الوقت ماہانہ 1,611 روپے (سالانہ 19,338 روپے) وظیفہ ملتا ہے۔ حکومت کا ہدف ہے کہ جون 2017ء تک بی آئی ایس پی کا دائرہ 5.6 ملین گھرانوں تک بڑھا دیا جائے، جن کی تعداد آخر جون 2016ء تک تقریباً 5.3 ملین تھی (شکل 7.4.1)۔

اس کے علاوہ بی آئی ایس پی سے اسٹیٹ بینک اور حکومت کا یہ مقصد بھی پورا ہوتا ہے کہ ملک میں مالی شمولیت بڑھائی جائے۔ پروگرام کے 90 فیصد سے زائد مستفید افراد کو ماہانہ وظیفہ برادر راست ان کے ”بی آئی ایس پی کارڈ“ میں جمع کر دیا جاتا ہے، یہ کارڈ ڈیجیٹل کارڈ کی طرح کام کرتا ہے، وہ افراد کسی بھی ایسے نی ایس پی سے رقم نکال سکتے ہیں۔ حکومت نجی شعبے کے متعلقہ فریقوں کے ساتھ شراکت میں اس عمل میں بائیو میٹرک تصدیق کا نظام شامل کرنے پر کام کر رہی ہے جس کے بعد مستفید افراد کو رقم نکالنا مزید آسان ہو جائے گا۔

جدول 7.5.1: بنیادی خودکامیابی اظہاریے		
مالی سال 15ء	مالی سال 16ء	
45.6	72.9	قرضوں کا مجموعی جزدان (ارب روپے)
52.0	87.0	امانتیں (ارب روپے)
1.3	1.7	قرض گيروں کی تعداد (ملین میں)
11.6	12.8	امانت گزاروں کی تعداد (ملین میں)
82.8	133.3	اثاثے (ارب روپے)

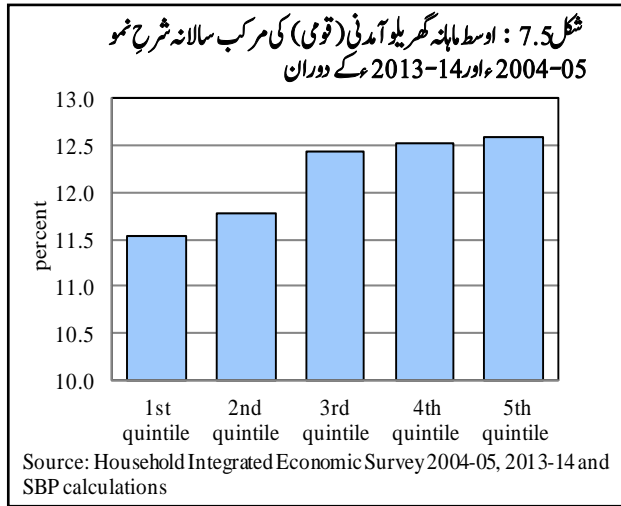
ماخذ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان

دریں اثنا بی آئی ایس پی نے یہ دیکھتے ہوئے کہ تعلیم کی کمی غربت کو برقرار رکھنے میں کردار ادا کرتی ہے، 2012ء میں وسیلہ تعلیم کا تجرباتی منصوبہ شروع کیا جس کے تحت بی آئی ایس پی سے استفادہ کرنے والوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے 5 سے 12 سال کے بچوں کو اسکول بھیجیں۔ اس منصوبے کے تحت بی آئی ایس پی کے اہل گھرانے کے ہر بچے کو ہر سہ ماہی پر حکومت 750 روپے نقد وظیفہ دیتی ہے۔ ایسے گھرانے کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کو اسکول میں داخل کرانے اور بچے اسکول کے ایک سال کے دوران کم از کم 75 فیصد حاضریاں یقینی بنائیں۔ یہ پروگرام بعد میں وسیع کر دیا گیا اور اس وقت پرائمری اسکولوں میں تقریباً 1.1 ملین بچے اس پروگرام کے تحت داخل ہیں۔ بی آئی ایس پی کے بہت سے استفادہ کنندگان نے ریاستی فنڈ سے پلٹے والے دیگر اقدامات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، جیسے مائیکرو فنانس اور بلاسود قرضے کی اسکیمیں، تکنیکی تعلیم کے کورس، وغیرہ۔

مائیکرو فنانس: مائیکرو فنانس فراہم کرنے والے اداروں کی بڑھتی ہوئی کوششوں اور اسٹیٹ بینک کی جانب سے سازگار پالیسی فریم ورک فراہم کیے جانے سے مائیکرو فنانس صنعت کا مجموعی جزدان بڑھتا جا رہا ہے، جیسا کہ جدول 7.4.1 میں دکھایا گیا ہے، جو غربت میں کمی لانے کے دیگر اقدامات میں شامل ہے۔

خدمت خلق: تیسرا اگندہ سبج شعبے کی خدمت خلق کی کوششیں ہیں۔ ادارہ جاتی خدمت خلق کی کوششیں گذشتہ تقریباً ایک عشرے کے دوران کئی گنا بڑھ چکی ہیں۔<sup>33</sup> ان میں سے بیشتر سرگرمیوں کا ہدف عموماً محدود ہوتا ہے (نارنگ آبادی اور عرصہ تعالیٰ دونوں اعتبار سے) تاہم یہ سرگرمیاں بھی غریبوں کے لیے گزراوقات کا ایک ذریعہ ہیں اگرچہ کہ وہ غربت کے دائرے سے نکلنے کا کوئی مستحکم راستہ نہیں دکھاتیں۔ اس مظہر سے صرف وہ ادارے مستثنیٰ ہیں جو کل وقتی فلاحی کام کرتے ہیں مثلاً ایڈمی فاؤنڈیشن، چھپو پلینیر ایبوسی ایشن، سیانی ویلفیئر ٹرسٹ اور دیگر۔ ان اداروں کا کام چوتھیں گھنٹے جاری رہتا ہے اور یہ مفت کھانا فراہم کر کے، مفت تھیم خانے، شفا خانے اور ڈینسریاں چلا کر، اور منشیات کے عادی افراد کی بحالی کے منصوبوں کے ذریعے لاکھوں لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔

## آمدنی میں عدم مساوات



غریبوں کی تعداد میں کمی کے حوالے سے تخفیفِ غربت پروگراموں کے مثبت اثرات دکھائی دیے ہیں تاہم یہ دیکھنا بھی باقی ہے کہ پاکستان میں آمدنی میں عدم مساوات پر کیسے اثرات ڈالے ہیں۔ درحقیقت ملک میں مجموعی طور پر آمدنی میں عدم مساوات بڑھی ہے۔ 2004-05ء میں 20 امیر ترین گھرانوں کی اوسط ماہانہ آمدنی 20 غریب ترین گھرانوں کی اوسط آمدنی سے 2.9 گنا زیادہ تھی؛ 2013-14ء میں یہ فرق بڑھ کر 3.2 گنا ہو گیا۔ نیز 20 فیصد غریب ترین گھرانوں کی ماہانہ آمدنی میں قومی سطح پر دس سال کے عرصے میں اضافہ سب سے کم ہوا (مرکب سالانہ شرح نمو کے لحاظ سے) جبکہ بلند ترین آمدنی والے 20 فیصد گھرانوں کی آمدنی میں اضافہ سب سے زیادہ ہوا (شکل 7.5)۔<sup>34</sup>

ایک طرف تو نچلے دو کونٹائل کی آمدنیوں میں مطلق بہتری دیگر ڈیٹا کی تصدیق کرتی ہے جس سے ملک میں غربت کے مجموعی رجحان میں کمی زوال ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر غریب ترین افراد کی گزراوقات میں بہتری کی رفتار دیگر آبادی کے مقابلے میں بہت سست ہے (شکل 7.5)۔ اگر یہ رجحان جاری رہا تو یہ آمدنی کے فرق کو مزید بڑھادے گا جو ملک کے سماجی تانے بانے پر سنگین اثرات نتائج مرتب کرے گا۔

<sup>33</sup> سرکاری سطح پر رجسٹرڈ کمپنیز کے عطیات کی رقم 2000ء کے 228 ملین روپے کے مقابلے میں 2013ء میں 4.8 ارب روپے تھی (ماخذ: پاکستان میں کارپوریٹ خدمت رسانی 2013، پاکستان مرکز برائے خدمت رسانی)۔

<sup>34</sup> پہلے کوئٹل سے مراد 20 فیصد غریب ترین کمانے والے گھرانے ہیں جبکہ پانچویں کوئٹل سے مراد بلند ترین 20 فیصد ہیں۔

سرکاری اعداد و شمار بھی دیہاتوں کے برخلاف شہروں میں بلند عدم مساوات کو ظاہر کرتا ہے؛ تاہم شہری علاقوں کے مقابلے میں دیہاتوں میں عدم مساوات زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ 04-2003ء میں 20 فیصد اعلیٰ گھرانوں کی اوسط ماہانہ آمدنی شہری علاقوں کے 20 فیصد غریب گھرانوں سے 3.1 گنا زیادہ تھی اور 15-2014ء میں یہ تناسب بڑھ کر 3.3 گنا ہو گیا۔ دیہی علاقوں میں اس عرصے میں یہ فرق 2.3 گنا سے بڑھ کر 2.8 گنا ہو گیا۔

آمدنی کے اس فرق کو صوبائی ڈیٹا میں استعمال کرنے سے کچھ دلچسپ نتائج سامنے آتے ہیں۔ 05-2004ء تا 15-2014ء کے دوران پنجاب اور بلوچستان میں آمدنی کی عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے جبکہ سندھ اور خیبر پختونخوا میں اس میں کمی آئی ہے۔<sup>35</sup> سندھ میں یہ کمی مکمل طور پر شہری علاقوں میں دکھائی دی ہے کیونکہ صوبے کے دیہی علاقوں میں عدم مساوات میں اضافہ ہوا تھا۔ خیبر پختونخوا میں بالکل برعکس صورت حال تھی کیونکہ دیہی علاقوں میں متعلقہ حوالوں سے عدم مساوات گھٹ کر 24.9 فیصد ہو گئی اور شہری علاقوں میں 5.1 فیصد بڑھ گئی۔ پنجاب کی صورت حال میں شہری و دیہی دونوں علاقوں میں عدم مساوات بڑھی تھی جبکہ اس کے شہری علاقوں میں عدم مساوات کی شرح دیگر صوبوں کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر بھی سب سے زیادہ ہے۔<sup>36</sup>

زیادہ اہم بات یہ ہے کہ مختلف صوبوں کی آمدنی میں عدم مساوات کا یہ نمونہ ملک میں چار مختلف نمونے کی کہانیاں اور ترقیاتی سطح کو اجاگر کرتا ہے۔

پالیسی تیار کرنے اور اس پر عمل درآمد کے لیے یہ بات اہم مضمرات کی حامل ہے اور ان کثیر الجہتی اقدامات کا تقاضہ کرتی ہے: دیہی علاقوں میں نوجوانوں کے لیے ملازمتوں کے مواقع میں اضافہ کرنا؛ غربت میں کمی کے اہدائی اقدامات میں بہتری لانا اور ایک قومی نصب العین تیار کرنا جو غربت کے نمونے کے حوالے سے علاقائی فرق کی شناخت کرتا ہو اور لوگوں کو غربت سے باہر لاسکے۔

## 7.4 سماجی خدمات

### 7.4.1 صحت

جدول 7.3: ایشیائی ممالک میں صحت کے بنیادی اظہاریوں کا موازنہ (2014)

اوسط عمر	شرح اموات	ماؤں کی شرح	صحت پر اخراجات، فیصد
72	32	188	0.8
76	10	28	3.1
68	39	181	1.4
69	24	133	1.1
75	6	41	2.3
70	31	275	2.3
66	67	184	0.9
68	23	117	1.6
75	9	31	2.6
74	11	21	5.6

ماخذ: ترقی کے عالمی اظہارے، عالمی بینک

گزشتہ دو عشروں سے بنیادی صحت کے اظہارے پاکستان کے لیے مثبت مدار میں جارہے ہیں۔ تاہم، بہتری کی رفتار اور صحت کے نتائج کا جب علاقائی ہمسروں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بہت سی خواہشات نشہ رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ جدول 7.3 میں دکھایا گیا ہے کہ پاکستان میں اس وقت ماؤں کی بڑھتی ہوئی شرح اموات کے ساتھ شرح امکان زندگی پست ترین ہے۔ پاکستان پولیو کے شکار تین ممالک میں سے ایک ہے اور ٹی بی کے بیماروں کی تعداد کے لحاظ سے چھٹے نمبر پر ہے۔ اس خطے میں نوزائیدہ اور شیر خوار اور 5 سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات بھی غذائی قلت، دست، سانس کی شدید بیماریوں اور دیگر متعدی اور ان بیماریوں کے باعث کافی زیادہ ہے جن سے ویکسین کی مدد سے بچا جاسکتا ہے۔

<sup>35</sup> اسی طرح 05-2004 سے 15-2014 کے دوران زیادہ کمائے والے 20 فیصد کی ماہانہ آمدنی کا کم ترین کمانے والے 20 فیصد سے تناسب سندھ میں 12.8 فیصد اور خیبر پختونخواہ میں 20.7 فیصد کم ہو گیا۔ اسی مدت میں یہ

تناسب پنجاب میں بڑھ کر 22.0 فیصد جبکہ بلوچستان میں 36.2 فیصد ہو گیا (ماخذ: گھرانوں پر مبنی معاشی سروے 05-2004، 14-2013)۔

<sup>36</sup> پنجاب کے شہری علاقوں کے امیر ترین 20 فیصد گھرانے 14-2013ء میں غریب ترین 20 فیصد کی کمائی سے 4.1 گنا زیادہ کمارہے تھے (ماخذ: گھرانوں پر مبنی معاشی سروے 14-2013)۔

اہم بات یہ ہے کہ ایم ڈی جیز کے صحت سے متعلق پیشتر اہداف میں پاکستان کی کارکردگی انتہائی خراب ہے (جدول 7.4)۔ مثال کے طور پر، 5 سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات ایم ڈی جی کے طے کردہ ہدف، یعنی 1000 زندہ پیدا ہونے والے بچوں میں 52 اموات سے اب بھی کہیں زیادہ ہے۔ ان ناکامیوں سے ان چیزوں کا اظہار ہوتا ہے: (i) سرکاری شعبے میں، بالخصوص دیہی علاقوں میں (لیکن اسی پر موقوف نہیں) صحت کی خدمات کی فراہمی کے طریقہ کار میں پائے جانے والے نقائص؛ (ii) غربت، اور نگہداشت صحت کے بھاری اخراجات؛ (iii) مناسب صفائی اور صاف پانی کی کمی جیسے انتہائی خطرناک عوامل کی مستقل موجودگی؛ (iv) ماہر دایوں کی کمی؛ (v) ثقافتی رکاوٹیں جن کے باعث خواتین صحت کی مناسب سہولیات تک رسائی نہیں رکھ پاتیں؛ اور (vi) دیہی علاقوں میں، اور اس کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے کے منصوبوں (جیسے ملیریا / پولیو کے خاتمے کی مہموں) میں نجی شعبے کی محدود شرکت۔

جدول 7.4: صحت سے متعلق ایم ڈی جیز		
ہدف	حقیقی*	ہدف
<b>ہدف 4: بچوں کی شرح اموات میں کمی کرنا</b>		
52	85.5	5 سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات (فی 1000 زندہ پیدا ہونے والوں میں اموات) <sup>2</sup>
40	66	نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات (فی 1000 زندہ پیدا ہونے والوں میں اموات) <sup>3</sup>
90 سے زائد	82	پوری طرح مامون 12 سے 23 ماہ کے بچوں کا تناسب <sup>1</sup>
90 سے زائد	83	خسرہ سے مامون ایک سال سے کم عمر بچوں کا تناسب <sup>1</sup>
10 سے کم	9	آخری 30 دنوں میں پیٹے کا شکار ہونے والے 5 سال سے کم عمر بچوں کا تناسب <sup>1</sup>
100	83	خواتین ہیلتھ ورکرز کی کوریج (زیر ہدف آبادی کا فیصد) <sup>4</sup>
<b>ہدف 4: ماؤں کی صحت بہتر بنانا</b>		
140	170	ماؤں کی اموات کی شرح <sup>2</sup>
90 سے زائد	58	ماہر معاون پیداائش کی زیر معاونت انجام پائی جانے والی زچگیوں کا تناسب <sup>1</sup>
55	35.4	مانع حمل طریقوں کے پھیلاؤ کی شرح <sup>2</sup>
2.1	3.8	مجموعی شرح پیداائش <sup>4</sup>
100	73	15 سے 49 سال کی خواتین کا تناسب جنہوں نے گزشتہ 3 برس میں کسی بچے کو جنم دیا ہو اور کم از کم ایک بار دوران حمل طبی ماہر سے مشاورت لی ہو <sup>1</sup>
<b>ہدف 6: ایچ آئی وی / ایڈز، ملیریا اور دیگر بیماریوں سے مقابلہ کرنا</b>		
اساسی کثیر میں نصف کی	0.041	15 سے 49 سال کی حاملہ خواتین میں ایچ آئی وی کا پھیلاؤ <sup>4</sup>
75	40	ملیریا کے خطرے والے علاقوں میں موثر حفاظتی تدابیر اور علاج کے طریقے اختیار کرنے والی آبادی کا تناسب <sup>4</sup>
45	275	ٹی بی کے واقعات فی لاکھ <sup>2</sup>
85	91	ٹی بی کے وہ کیسز جنہیں ڈی او ٹی ایس کے تحت شناخت کیا گیا اور ان کا علاج کیا گیا <sup>4</sup>

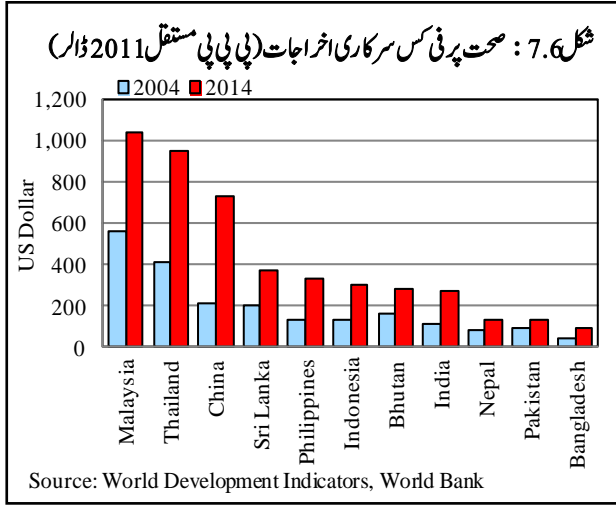
ماخذ: 1: اپنی ایس ایل ایم 15-2014؛ 2: یو این ایم ڈی جی کارکردگی کی سرسری تصویر 2015 (2013 ڈیٹا)؛ 3: پاکستان کا معاشی سروے 2015-16؛ 4: پاکستان ایم ڈی جی کارکردگی کی رپورٹ 2013، وزارت منصوبہ بندی؛ 5: تازہ ترین دستیاب ڈیٹا

اس امر کا بھی ضرور اعتراف کیا جانا چاہیے کہ گزشتہ چند برسوں کے دوران صحت کے اظہار یوں کی بہتری کے لیے کی جانے والی کوششیں صحت کی ٹیموں پر دہشت گرد حملوں، بہت سے اضلاع میں سیلابوں، اور آبادی کی اندرونی بے دخلی کے باعث توقع سے کم کامیابی حاصل کر سکیں۔<sup>37</sup> خیبر پختونخواہ، فائنا، بلوچستان اور ملک کے دیہی علاقوں میں بدترین کارکردگی کی یہ اہم وجہ ہے۔

<sup>37</sup> پاکستان ہلینتھ ترقیاتی مقاصد 2013، منصوبہ بندی کمیشن، حکومت پاکستان۔



بجٹ سے متعلق رکاوٹیں

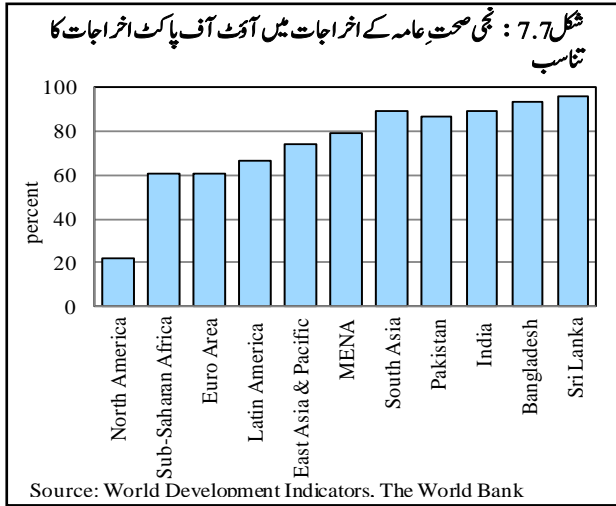


صحت کے لیے مختص کیے جانے والے سرکاری فنڈز کئی برسوں سے کم ہیں۔ حکومت جی ڈی پی کا صرف 0.7 فیصد ہی صحت پر خرچ کر رہی ہے<sup>38</sup> جو کہ عالمی تنظیم برائے صحت کے سفارش کردہ 5 فیصد کے مقابلے میں اور مشرقی ایشیائی معیشتوں کے صحت پر کیے جانے والے اخراجات کے تناظر میں انتہائی کم ہے (شکل 7.6)۔

ماضی میں صحت پر یہ پست اخراجات وفاقی بجٹ کے تناؤ کو ظاہر کرتے تھے: حکومتیں قرضوں کی ادائیگی، دفاع اور حکومت چلانے جیسے ناگزیر اخراجات تلے دبی ہوئی تھیں، جن کے باعث سماجی اخراجات کی گنجائش نہیں بچتی تھی۔

آئین کی اٹھارویں ترمیم کے نفاذ کے بعد نگہداشت صحت اب صوبائی حکومت کے زیر انتظام آگئی ہے۔ اب پالیسی کی تشکیل، وسائل کو متحرک کرنا اور ادائیگی کے طریقہ کار کو موثر بنانا صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ تاہم ظاہر یہ ہوا کہ صوبے صحت کی نگہداشت پر اخراجات بڑھانے میں ناکام رہے ہیں۔

نجی شعبے کا بڑھتا ہوا کردار اور صحت پر ناکافی اخراجات



خدمات کی فراہمی میں نجی شعبے کے بڑھتے ہوئے کردار کی ایک وجہ سرکاری سہولیات کی خراب صورت حال ہے۔ پاکستان کی 70 فیصد سے زائد آبادی نجی شعبے میں صحت کی خدمات کے فراہم کنندگان سے مشورہ لیتی ہے جبکہ محض 20 فیصد سرکاری خدمات پر انحصار کرتے ہیں۔<sup>39, 40</sup> سرکاری نگہداشت صحت کی سہولیات میں لوگوں کی پست شمولیت کا مطلب یہی ہے کہ صحت پر اٹھنے والے اکثریتی (61 فیصد) اخراجات نجی شعبے کی فنڈنگ سے پورے ہوتے ہیں۔ بیمہ صحت اور سماجی تحفظ کا حصہ بھی انتہائی کم ہے اور گھرانے صحت کی ادائیگیوں کے لیے ذاتی وسائل استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ نام نہاد بالائی اخراجات پاکستان کے نگہداشت صحت کے نجی اخراجات کا 88 فیصد ہوتے ہیں جو کہ ایک جنوب ایشیائی ملک کے تناظر میں بالکل عام بات ہے

(شکل 7.7)۔<sup>41</sup> خطے کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی کم آمدنی کے حامل افراد یا تو نگہداشت صحت کی مناسب خدمات کو نظر انداز کرتے ہیں یا ان پر کم خرچ کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ نجی خدمات زیادہ تر شہری علاقوں میں دستیاب ہیں اور دیہی آبادی خاصی حد تک محروم ہے۔

<sup>38</sup> 2014-15 میں (ماخذ: اقتصادی سروے آف پاکستان 2015-16ء)۔

<sup>39</sup> ماخذ: پاکستان کے معیار زندگی کی معیاری پیمائش کا سروے 2014-15۔

<sup>40</sup> یقیناً، ان علاقوں میں جہاں نجی شعبہ اپنے قدم بہمانے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے وہاں لوگ سرکاری سہولیات پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں سرکاری اسپتالوں اور ڈسپنسریوں سے مشاورت بالترتیب 17 اور 20 فیصد رہی، جبکہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں یہ تناسب 20 فیصد تھا۔

<sup>41</sup> ماخذ: پاکستان قومی صحت کے بیانات 2011-12ء، پاکستان ادارہ شماریات۔

## صفائی کی ناقص صورت حال

پینے کے صاف پانی و صفائی کی سہولیات کی کمی اور حفظانِ صحت کی دگرگوں حالت کے باعث جلدی بیماریاں، سانس کے شدید انفیکشن اور دست جیسے امراض پھیل جاتے ہیں جو پاکستان میں بچوں کی اموات اہم وجوہ ہیں۔ ملک میں ٹھوس فضلات ٹھکانے لگانے کے مناسب نظام کی عدم موجودگی اور جگہ جگہ پڑے ہوئے پکڑے کے ڈھیر عوام کی صحت کے لیے خطرہ ہیں کیونکہ یہ ہیضہ اور ملیریا پھیلانے والی مکھیوں اور چھروں کی افزائش کا سبب بن جاتے ہیں۔ پاکستان میں 21 فیصد گھرانے بیت الخلا کی سہولت سے محروم ہیں؛ دیہی علاقوں میں یہ مسئلہ زیادہ شدید ہے جہاں 31.5 فیصد لوگوں کی اس تک رسائی نہیں ہے۔<sup>42</sup> مزید یہ کہ 30 فیصد گھرانے بیت الخلا کی غیر معیاری سہولت استعمال کرتے ہیں۔<sup>44,43</sup> ٹھوس فضلے کے بندوبست کی صورت حال بھی انتہائی خراب ہے۔ شہروں کا محض 50 فیصد کچرا ہی اٹھا کر بے ضابطہ مقامات پر ٹھکانے لگانے لے جایا جاتا ہے۔<sup>45</sup> اسپتالوں کی آلائشیں ٹھکانے لگانے کا جزوی انتظام صرف کراچی اور لاہور ہی میں موجود ہے۔ پینے کے صاف پانی کا جہاں تک تعلق ہے تو صرف 20 فیصد دیہی گھرانوں کو پائپ کے پانی تک رسائی حاصل ہے؛ اکثر گھرانے ٹیوب ویل، بورنگ، دستی پمپ پر انحصار کرتے ہیں۔<sup>46</sup> بالخصوص، محض 20 فیصد شہری اور 1.5 فیصد دیہی گھرانے پینے کا پانی صاف کرنے کے لیے مناسب اقدامات کرتے ہیں۔<sup>47</sup>

## گنجان دیہی علاقوں میں ناکافی سرکاری سہولیات

گیارہویں پانچ سالہ منصوبے میں بیان کیا گیا ہے: "حالیہ نگہداشت صحت کا نظام ناکافی ہے، بالخصوص دیہی علاقوں میں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہیں ہیں۔ تمام زمروں میں مناسب حوالہ جاتی نظام کی کمی ہے۔ پہلا زمرہ قلت استعمال کا حامل ہے جبکہ دوسرے و تیسرے درجے زائد بوجھ کے حامل ہیں۔ ماں اور بچے کی صحت کے مراکز (ایم سی ایچ سی) اور شہری ڈسپنسریاں موجود ہیں۔۔۔ لیکن یہ سہولیات ناکافی عملے اور نامناسب آلات کی حامل ہیں"۔ دیہی علاقوں میں جہاں پاکستان کی آبادی کا 61 فیصد حصہ رہائش پذیر ہے وہاں صحت کی صورت حال اور زیادہ خراب ہے۔<sup>48</sup> ان علاقوں میں (صفائی کی خراب صورت حال اور صاف پانی کی کمی کے باعث) صحت کو بلند معضلات اور خطرات ہی لاحق نہیں، بلکہ ابتدائی اور تیسرے درجے کی نگہداشت صحت کی خدمات کی ادائیگی کا انتظام بھی محذووش شکل میں ہے۔<sup>49</sup> سب سے اہم مسئلہ ان علاقوں تک زمینی رسائی ہے: پاکستان میں کسی گاؤں کا بنیادی صحت کے مراکز سے اوسطاً 15 کلومیٹر ہے، جو کہ کافی زیادہ ہے۔ بالخصوص 12 فیصد آبادی کے لیے بنیادی صحت کا مرکز 26 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اور ان کی رسائی سے باہر ہے۔<sup>50</sup>

<sup>42</sup> ماخذ: پاکستان آبادیاتی اور صحت کا سروے 2012-13، قومی ادارہ برائے مطالعہ پالیسی، اسلام آباد اور یو این ایڈ۔

<sup>43</sup> ڈیپلو ایج اور یونیسیف کے مطابق بہتر بیت الخلا وہ ہیں جو کسی ایک گھرانے کے لوگ استعمال کرتے ہیں (اور اسے دوسرا کوئی گھرانہ استعمال نہیں کرتا ہے)؛ اور وہ جو فضلات کو انسانی جسم سے دور رکھتا ہے۔

<sup>44</sup> ان میں سے محض 6 فیصد فلتس ٹوائلٹ استعمال کرتے ہیں جو کسی گٹر یا عفونت دار تالاب / گڑھے دار سڈاس میں نہیں گرتے اور 2 فیصد بنتختے کے گڑھے دار سڈاس یا کھلے گڑھے استعمال کرتے ہیں۔

<sup>45</sup> ماخذ: قومی پالیسی برائے صحت و صفائی، حکومت پاکستان۔

<sup>46</sup> ماخذ: پاکستان آبادیاتی اور صحت کا سروے 2012-13، قومی ادارہ برائے مطالعہ پالیسی، اسلام آباد اور یو این ایڈ۔

<sup>47</sup> پانی کی صفائی کے مناسب طریقہ کار میں اس کا اہتمام، تفتیش / چھاننا اور جسمی ہراشیم کشی شامل ہے۔

<sup>48</sup> مثال کے طور پر شہری علاقوں میں نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات فی 1000 زندہ پیدا ہونے والوں میں سے 63 ہے، جبکہ دیہی علاقوں میں یہ 88 فیصد ہے۔ اسی طرح پانچ سال سے کم عمر بچوں میں شہری علاقوں میں فی ہزار زندہ پیدا ہونے والوں میں شرح اموات 74 ہے، جبکہ دیہی علاقوں میں 106 اموات ہیں۔

<sup>49</sup> پاکستان میں سرکاری سطح پر نظام صحت کی خدمات کے تین زمرے ہیں: (i) پبلک سطح پر دیکھ بھال کی سہولیات میں بنیادی مراکز صحت (بی ایچ یوز) اور دیہی مراکز صحت (آر ایچ سیوز) ہیں؛ (ii) تحصیل اور تعلقہ ہیڈ کوارٹرز اسپتال (ٹی ایچ کیوز) اور ضلعی ہیڈ کوارٹر اسپتال (ڈی ایچ کیوز) ہیں، اور (iii) طبی اداروں سے منسلک تدریسی اسپتال بھی ہر قسم کی خدمات صحت سے لیں ہیں۔

<sup>50</sup> ماخذ: پاکستان موضع شماریات، 2008۔

اس میں کچھ عجب نہیں کہ دیہی گھرانوں کے سرکاری سہولت سے استفادہ نہ کرنے کی سب سے عام وجہ یہ طویل فاصلہ ہے۔<sup>51</sup> یہاں تک کہ جہاں انفراسٹرکچر موجود ہو وہاں بھی صحت سے متعلق پیشہ ور افراد (بالخصوص خواتین) کی دستیابی یقینی نہیں ہوتی اور نگرانی کی ناقص صورت حال نیز غیر حاضریاں ان علاقوں میں خدمت کی فراہمی میں خلل ڈالتی ہیں۔ مزید یہ کہ، طبی آلات اور ادویات بھی باقاعدگی سے مہیا نہیں کی جاتی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر طبی آلات کی مناسب صفائی نہ ہونا بھی مریضوں کی بھلائی کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ لہذا یہ حیران کن نہیں ہے کہ ملکی دیہی آبادی کا صرف 55 فیصد ہی سرکاری بنیادی صحت کی سہولیات سے مطمئن ہے۔<sup>52</sup>

### غیر تربیت یافتہ ملازمین

پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن (پی ایچ سی) نے صوبے میں غیر رجسٹرڈ پیشہ ور ڈاکٹرز کے خلاف اپنی حکمت عملی پر مشتمل دستاویز میں حیران کن اکتشافات کیے ہیں۔ ان میں سے اکثر بنائے ہوئے رسمی سہولتوں کے، کسی دواخانے کی شکل میں یا کسی نقلی ڈاکٹر کے نام سے اور معمولی فیس کے عوض علاج کر رہے ہیں۔ نجی نگہداشت صحت کے رسمی اداروں کے بلند اخراجات کی وجہ سے گھرانے چھوٹی موٹی بیماریوں کے علاج کے لیے اکثر ان غیر ماہر افراد سے رجوع کرتے ہیں (منقولی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چھوٹی موٹی بیماریوں کے بگڑ جانے کی صورت میں رسمی نجی سہولیات سے مشورہ کیا جاتا ہے)۔

### خواتین کی نگہداشت صحت کے ضمن میں ثقافتی رکاوٹیں

پاکستان میں خواتین کی نگہداشت صحت کی صورت حال بہت سی سہولیات کا تقاضہ کرتی ہے بالخصوص دیہی خواتین کی حالت شہری خواتین کے مقابلے میں دگرگوں ہے۔ صحت کی سہولیات تک خواتین کی پست رسائی کی بنیادی وجہ مردوں پر مالی انحصار ہے، اس کے ساتھ ساتھ ثقافتی عوامل بھی ہیں جو خواتین کی نقل و حرکت پر روک لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہاں طلب موجود ہے وہاں بھی زنانہ صحت کی سہولیات کی پست رسد ان کی رسائی کو روک دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، قبل از پیدائش نگہداشت کے لیے حمل و دوران زچگی ماؤں کی اموات کا خطرہ کم کرنے کے لیے حمل کی نگرانی کسی ماہر ڈاکٹر کی جانب سے ہونی چاہیے۔ تاہم مراکز صحت میں خاتون ماہر امراض نسواں اور خواتین طبی افسران کی کمی کی وجہ سے بہت سی خواتین اس سہولت سے محروم رہتی ہیں۔

2009ء سے 2013ء کے دوران ہونے والی زچگیوں میں سے نصف سے بھی کم زچگیاں ماہر خواتین (بشمول ڈاکٹر، نرس، دائی، اور خاتون ہیلتھ وزیٹر) کی معاونت سے انجام پائیں۔ دیہی علاقوں میں یہ صورت حال زیادہ پریشان کن ہے: 2012ء میں 638 دیہی مراکز صحت کے سروے سے پتا چلا کہ 276 (43 فیصد) میں کوئی خاتون طبی افسر موجود نہیں تھیں جبکہ 222 مراکز میں محض ایک افسر موجود تھیں۔<sup>53</sup> دیہی علاقوں میں تقریباً 55 فیصد زچگیاں روایتی دائیوں یا رشتے داروں کی مدد سے انجام دی گئیں۔<sup>54</sup> تحصیل ہیڈ کوارٹرز اور سول اسپتالوں کے اعداد و شمار مزید حیران کن تھے؛ کل 280 اسپتالوں کا سروے کیا گیا جن میں سے 206 میں کوئی ماہر امراض نسواں موجود نہیں تھی۔

<sup>51</sup> جب پوچھا گیا کہ پیسے کے علاج کے لیے سب سے پہلے حکومتی خدمات سے رجوع نہ کرنے کی کیا وجہ ہے، تو 26 فیصد دیہی گھرانوں کا یہ جواب تھا کہ وہ 'بہت فاصلے پر ہیں'؛ 19 فیصد کا جواب تھا کہ 'سرکاری سہولیات موجود نہیں'؛ 13 فیصد کا جواب تھا 'نا کافی ادویات ہوتی ہیں'؛ اور 10 فیصد کا جواب تھا کہ 'ڈاکٹر موجود نہیں ہوتے' (ماخذ: پاکستانی سماجی اور معیار زندگی کی پیمائش کا سروے 2014-15، ادارہ شماریات، پاکستان)۔ اسی طرح دیہی علاقوں میں 47 فیصد خواتین نے یہ بتایا کہ جب وہ بیمار ہوں تو انھیں اپنے لیے نگہداشت صحت تک رسائی میں شدید مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، جس میں سب سے بڑی رکاوٹ مرکز صحت کا زیادہ فاصلہ ہے۔ ان میں سے نصف خواتین نے صحت کی سہولیات تک رسائی نہ ہونے کی وجہ ذرا نفع نقل و حمل کو بتایا (ماخذ: پاکستان آبادیاتی اور صحت کا سروے 2012-13)۔

<sup>52</sup> ماخذ: پاکستانی سماجی اور معیار زندگی کی پیمائش کا سروے 2014-15، ادارہ شماریات، پاکستان۔ پنجاب کے دیہی علاقوں میں درجہ اطمینان سب سے زیادہ (65 فیصد) اور بلوچستان کے دیہی علاقوں میں سب سے کم (41 فیصد) رہا۔

<sup>53</sup> ماخذ: صحت کی سہولیات کا جائزہ۔ قومی رپورٹ، پاکستان، زچہ، نوزائیدہ اور بچوں کی صحت کے پروگرام (ایم ایم سی ایچ پی) کی نگرانی اور جائزے (ایم اینڈ ای) کے فریم ورک پر عمل درآمد کے جز کے طور پر تکنیکی وسائل کی سہولت کی جانب سے تیار کیا گیا۔

<sup>54</sup> ماخذ: پاکستان آبادیاتی اور صحت کا سروے 2012-13، قومی ادارہ برائے مطالعہ پالیسی، اسلام آباد اور یو ایس ایڈ۔

مجموعی طور پر، پاکستان کے نظام صحت میں سب سے زیادہ باعث تشویش امر سرکاری خدمات کی ناکافی دستیابی ہے، جس کے متبادل کے طور پر کم آمدنی والے افراد مہنگی نجی سہولیات کو اختیار نہیں کر سکتے۔ ملک میں صفائی کی خراب حالت اور حفظان صحت کی عدم موجودگی کے باعث صحت کے مسائل کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ دیہی علاقوں میں صورت حال انتہائی پریشان کن ہے اور سرکاری سطح پر انفراسٹرکچر کی تعمیر کی متقاضی ہے۔

## 7.4.2 تعلیم

تعلیم انفرادی حیثیت میں بنیادی انسانی حق ہے جس کی تائید اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور سمیت پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 25-اے میں بھی ملتی ہے۔<sup>55</sup> مجموعی طور پر، عام غربت میں کمی، ہنرمند افرادی قوت کی تیاری، اور اختراعات اور کاروبار کو پروان چڑھانے کے لیے تعلیم ایک لازمی بنیادی جز ہے۔ افرادی قوتوں اضافہ ملک کی مسابقت اور کاروباری ماحول پر مثبت اثر ڈالے گا اور ایک پرکشش طویل مدتی سرمایہ کاری میدان کے طور پر اس کے تصور کو بہتر بنائے گا۔

### باکس 7.6: تعلیم، اور معیشت کی مسابقت:

جدول 7.6.1: عالمی مسابقت کی رپورٹ 2016-17	پاکستان کا درجہ*
تعلیمی اظہار بے	
پرائمری تعلیم کا معیار	115
پرائمری اسکول میں خاص داخلے	133
ثانوی اسکول میں مجموعی داخلے	124
اعلیٰ ثانوی تعلیم میں مجموعی داخلے	115
تعلیمی نظام کا معیار	71
سائنس اور ریاضی کی تعلیم کا معیار	98
انتظامی اسکولوں کا معیار	84
اسکولوں میں انٹرنیٹ تک رسائی	105
خصوصی تربیت کی خدمات کی دستیابی	97
عملے کی تربیت کی تعداد	120

\* 138 ممالک میں درجہ۔ ماخذ: ورلڈ ایکٹو فورم

حالیہ عالمی ماحول میں اپنی مسابقت برقرار رکھنے کے لیے تعلیم یافتہ افرادی قوت کسی بھی ملک کے لیے مایہ نفع ہوتی ہے۔ تعلیم انفرادی کی پیداواری صلاحیت پر تین بنیادی ذرائع سے اثر انداز ہوتی ہے۔<sup>56</sup> اولاً یہ کارکنوں کی ہدف کو تیزی سے مکمل کی مجموعی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہے۔ دوسرا، اگر انہوں نے ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کی ہے تو کارکن نئی ٹیکنالوجی کی مصنوعات کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں (چنانچہ کام کے دوران انہیں زیادہ موثر طور پر استعمال کرتے ہیں)۔ وہ اپنے شعبے میں نئی معلومات اور نئے رجحانات کو سمجھنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ، ایک تعلیم یافتہ افرادہ قوت چیلنجز سے نمٹنے کے لیے زیادہ تخلیقی ہوتی ہے؛ اس سے ملک کے لیے مجموعی طور پر نئی مصنوعات اور ٹیکنالوجی تیار کرنے کا موقع بڑھ جائے گا۔

عالمی اشاریہ مسابقت 2016-17 میں 138 ممالک میں سے پاکستان کا درجہ 122 ہے جو علاقائی ممالک تھائی لینڈ (34)، فلپینز (57)، بھارت (39) اور ویتنام (60) سے پیچھے ہے۔ اس ناقص کارکردگی میں ملک کے صحت و تعلیم کے پست اظہاروں نے اہم کردار ادا کیا۔ خواتین اور مردوں کے ملازمت کے تناسب میں پاکستان 138 ملکوں میں سے 134 ویں درجے پر ہے اور تجارتی تحفظ (یعنی ٹیرف کی ڈیوٹیز) میں بھی 134 ویں درجے پر ہے۔ گزشتہ تین برسوں میں پاکستان سات درجے بہتر ہوا ہے جبکہ اس کی جی آئی تقریباً جامد رہی۔ کسی ملک کا سی جی آئی اسکور 12 خصوصیات ("استونوں") پر مبنی ہوتا ہے، جنہیں تین زمروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان ستونوں میں سے دو براہ راست تعلیم (ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم، اور تربیت) سے متعلق ہیں، جبکہ کئی دیگر (جیسے لیبر مارکیٹ کی مستعدی، ٹیکنالوجی کے لیے مثبت رویہ اور اختراعات) بالواسطہ طور پر منسلک ہیں۔ بنیادی تعلیمی ستونوں میں پاکستان کا درجہ (138 ممالک میں سے) جدول 7.5.1 میں دکھایا گیا ہے۔ یہ اظہار بے بنیادی طور پر داخلوں، تعلیمی سہولیات تک رسائی، اور معیار تعلیم و اسکول انفراسٹرکچر سے متعلق ہیں۔

ملک کی ترقی کے لیے تعلیم کی واضح اہمیت کے باوجود یہ شعبہ نظر انداز ہو رہا ہے۔ یہ یقیناً ہماری بد قسمتی ہے، جو غالباً حیران کن تو نہیں، کہ پاکستان تعلیم سے متعلق جی ایم ڈی کے اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ ان اہداف میں شامل ہیں (i) ابتدائی تعلیم کا مکمل طور پر عام ہونا (100 فیصد کے مقابلے میں 67 فیصد)؛ (ii) طلباء کے زیر تعلیم رہنے کی شرح؛ (iii) ابتدائی و ثانوی سطح پر صنفی مساوات کو یقینی بنانا (لڑکیوں اور لڑکوں کا ہدف تناسب 1.0 کے مقابلے میں 0.88)؛ اور (iv) بالغان کی خواندگی کی شرح میں اضافہ (88 فیصد ہدف کے مقابلے میں 15-2014ء میں 60.7 فیصد)۔<sup>57</sup>

<sup>55</sup> پاکستان کے دستور کے آرٹیکل 25-اے میں بتایا گیا ہے "ریاست قانون کے وضع کردہ طریق کار کے مطابق پانچ سے 16 برس کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی"۔

<sup>56</sup> ماخذ: ورلڈ ایکٹو فورم۔

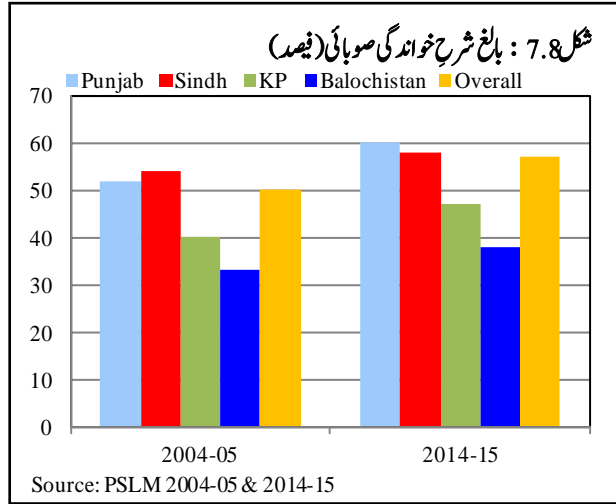
<sup>57</sup> ماخذ: پاکستان کا افرادی قوت کا سروے 2014-15، قومی ایجوکیشن منیجمنٹ اینڈ انفارمیشن سسٹم۔

ایک علاقائی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ پاکستان تعلیمی اظہار یوں میں سارک ممالک سے کافی پیچھے ہے (جدول 7.5)۔ علاقائی ممالک میں اس کی شرح خواندگی دوسرے درجے پر پست ترین، اور خواتین کی پرائمری اسکول تک تعلیم مکمل کرنے کی شرح کے حوالے سے پست ترین ہے۔ جی ڈی پی کی کم اوسط کے علاوہ بھی پاکستان تعلیم کے لیے انتہائی کم وسائل مہیا کرتا ہے۔

جدول 7.5: تعلیمی اظہار یوں کا مقامی موازنہ\*

پر ائمری تعلیم مکمل کرنے کی شرح	تعلیم پر سرکاری اخراجات جی ڈی پی فیصد	استاد اور طلبہ کا تناسب (پرائمری)	مرد	خواتین	بالمغوں کی شرح خواندگی	پر ائمری تعلیم مکمل کرنے کی شرح
69	2.0	د-ن	59.7 (2013)	79	بنگلہ دیش	69
91	6.0	27	52.8 (2005)	103	بھوٹان	91
94	3.8	32	69.3 (2011)	99	بھارت	94
-	5.2	12	98.4 (2006)	-	مالدیپ	-
99	4.7	24	59.6 (2011)	109	نیپال	99
80	2.2	47	57.0 (2015)	67	پاکستان <sup>1</sup>	80
99	1.7	24	91.2 (2010)	97	سری لنکا	99

ماخذ: عالمی ترقیاتی اظہار یوں کے لیے پی ایس ایل ایم 2014-15 اور تعلیم پر اخراجات کے لیے پاکستان کا معاشی سروے (2015-16)۔  
 د-ن: دستیاب نہیں؛ \* (ڈیٹا آئی ڈی بی میں) حالیہ دستیاب سال کے اعداد و شمار لیے گئے ہیں۔



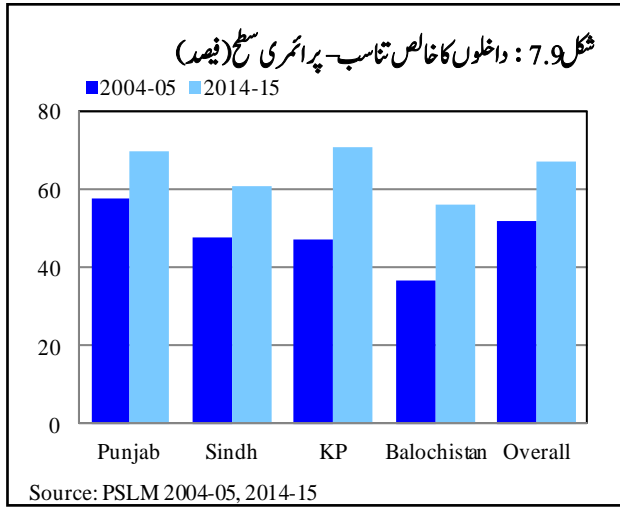
اضافی معنوں میں، صرف بنگلہ دیش اور سری لنکا ہیں جن کی جی ڈی پی کی اوسط 2014ء میں پاکستان سے کم تھی؛ جبکہ سری لنکا کے معاملے میں، ملک پہلے ہی تعلیم کے میدان میں مناسب ترقی کر چکا ہے (جیسا کہ اس کی تقریباً مکمل شرح خواندگی اور اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کی شرح سے عیاں ہے)۔ چنانچہ پاکستان تعلیم پر اپنے ہمسایوں کے برابر خرچ کرنے کی ضرورت کو نظر انداز کر رہا ہے۔

اسی دوران صوبائی موازنے سے واضح ہوتا ہے کہ مالی 10ء سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ شرح خواندگی اور تعلیم پر سرکاری اخراجات کے حوالے سے پنجاب پاکستان کے دیگر صوبوں سے آگے ہے، اور بلوچستان اظہار یوں میں پست ترین ہے (شکل 7.8)۔

#### داخلہ:

صوبوں کے ابتدائی اسکولوں میں داخلے کے خالص تناسب (این ای آر) کے 2004-05ء تا 2014-15ء کے موازنے سے کچھ دلچسپ نتائج سامنے آتے ہیں؛ سب سے اہم اس مدت میں صوبے خیبر پختونخوا کی شاندار کارکردگی ہے۔ 2004-05ء میں خیبر پختونخوا کی این ای آر ابتدائی سطح پر (سندھ اور پنجاب کے بعد) تیسرے نمبر پر تھی، 2014-15ء میں اس کی این ای آر (71 فیصد) تمام صوبوں سے زیادہ ہو گئی اور اس نے قومی اوسط کو بھی مات دے دی ہے (شکل 7.9)۔

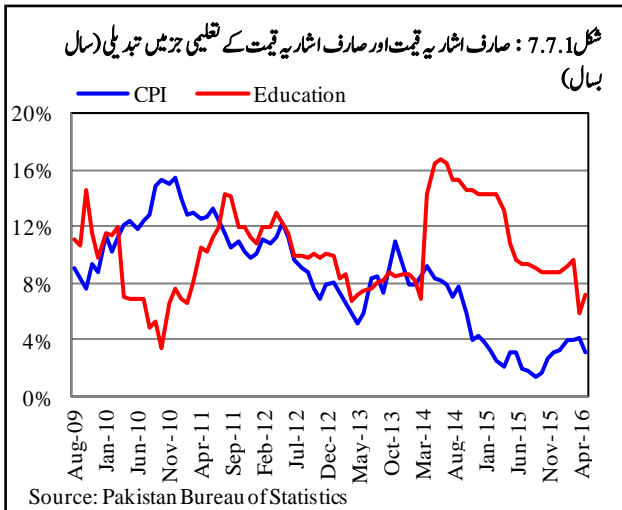
<sup>58</sup> یونیسکو کے مطابق داخلوں کے خالص تناسب سے مراد "کسی مخصوص تعلیمی درجے میں سرکاری طور پر مخصوص عمر کے گروہ کا داخلہ اس کی آبادی کی فیصد کو ظاہر کرتا ہے"۔ عام آدمی کی اصطلاح میں، ایک مخصوص عمر کی سطح پر کسی مخصوص تعلیمی سطح پر بچوں کی جو تعداد داخلہ لیتی ہے وہ اس مخصوص عمر کے بچوں کی آبادی کا فیصد ہوتی ہے (ماخذ: [http://unesco.org.pk/education/life/nfer\\_library/Reports/3](http://unesco.org.pk/education/life/nfer_library/Reports/3))۔



تاہم، علاقے میں اس بہتری میں استحکام لانا انتہائی اہم ہے، کیونکہ اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ یہ این ای آر تمام صوبوں میں انتہائی شدت سے کم ہو جاتا ہے جب مڈل اسکولز کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد مڈل اسکولز (6 تا 8 جماعتیں) میں داخلہ لینے والے طلباء کی تعداد کافی کم ہو جاتی ہے۔ اس کمی کی ایک اہم وجہ پرائمری اسکول سے آنے والے بچوں کے مقابلے میں مڈل اسکولوں کی کم تعداد بھی ہے: ملک کے (سرکاری و نجی دونوں شعبوں میں) ہر تین پرائمری اسکولوں کے مقابلے میں بمشکل ایک مڈل اسکول موجود ہے۔<sup>59</sup>

اس کے علاوہ ملک کے تمام پرائمری اسکولوں میں سے 87 فیصد صرف سرکاری شعبے میں ہیں جبکہ باقی 13 فیصد نجی شعبے میں ہیں لیکن مڈل اسکولوں میں یہ تناسب الٹ جاتا ہے، 38 فیصد مڈل اسکول سرکاری شعبے میں جبکہ اکثریت (62 فیصد) نجی شعبے کے تحت آتے ہیں۔

درج بالا بحث دراصل ملک میں صرف مڈل اسکولوں کی کمی پر ہی روشنی نہیں ڈالتی بلکہ بچوں کے لیے مڈل اسکول کی مفت اور مناسب تعلیم یقینی بنانے میں ریاست کی طرف سے چھوڑے گئے خلاء کی نشاندہی کرتی ہے، جو نجی شعبہ بھرتا ہے اور نجی شعبے سے ایسی کسی بھی خدمت کی مفت ادائیگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ نجی تعلیمی اداروں کی جانب سے لاگو کی گئی فیس کی شرح جو گزشتہ چند برسوں سے مسلسل بڑھ رہی ہے، وہ بھی انتہائی قابل غور ہے، اور یہ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ کئی گھرانے تعلیمی نظام سے باہر نکل گئے ہیں۔



#### باکس 7.7: اسکولوں کے اخراجات

پاکستان نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کر کے معیار تعلیم کی بہتری کے لیے اقدامات کر رہا ہے تاکہ وہ معیاری تعلیم، مضبوط نصاب، تربیت یافتہ و اہل اساتذہ اور بہتر سہولیات کے ساتھ آگے آسکیں۔ تاہم غالباً اسی وجہ سے 2008ء سے اب تک اسکولوں کی لاگت دگنی ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ مالی سال 09ء سے اپریل 2016ء تک تعلیمی جز کے صارف اشاریہ قیمت میں سال بسال تبدیلی اس تمام مدت کی مجموعی صارف اشاریہ قیمت سے بڑھ گئی ہے (مالی سال 2010ء کے علاوہ جب تیل کی قیمتیں فی بیرل 100 ڈالر سے زیادہ رہیں) (شکل 7.7.1)۔<sup>60</sup> اگرچہ تعلیمی اشاریہ اور مجموعی صارف اشاریہ قیمت میں اپریل 2014ء سے انحراف کو تیل کی عالمی قیمتوں میں کمی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے،<sup>61</sup> حقیقت یہی ہے کہ تعلیم کی لاگت میں (جیسا کہ تعلیم کے جز صارف اشاریہ قیمت سے ناپا گیا ہے) اپریل 2014ء سے جون 2015ء تک 10 فیصد کا سال بسال اضافہ ہوا ہے۔<sup>62</sup>

اور اگرچہ ملک میں فی کس آمدنی بڑھ رہی ہے لیکن یہ اضافہ نجی اسکولوں کی فیسوں میں اضافے کی رفتار کے برابر نہیں ہے۔ یہ ان گھرانوں کے لیے مسئلہ کا باعث ہو سکتی ہے جو اسکولوں کی بڑھتی لاگت سے مطابقت نہیں رکھتے اور انتہائی صورت حال میں والدین اپنے بچوں کو اسکول سے خارج کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

<sup>59</sup> ماخذ: تعلیمی اشاریہ برائے پاکستان 2014-15ء، قومی ایجوکیشن سنجمنٹ اینڈ انفارمیشن سسٹم۔

<sup>60</sup> مالی سال 11ء میں سعودی عرب کے پبلک خام تیل کی قیمت 111.2 ڈالر فی بیرل تھی (ماخذ: بلومبرگ)۔

<sup>61</sup> تیل کی قیمتیں (مع اڈسٹک، پانی، بجلی اور گیس کی قیمتوں کے) صارف اشاریہ قیمت میں دوسری بلند ترین اہمیت (29.41 فیصد) کی حامل ہیں۔ یہ تعلیم کی فیصدی اہمیت 3.94 فیصد سے کہیں زیادہ ہے۔

<sup>62</sup> نجی تعلیمی اداروں کے نمائندوں کی طرف سے دسمبر 2014ء کے آرمی پبلک اسکول پشاور پر حملے کے بعد سے اسکولوں میں تحفظ کے اضافی انتظامات کے حوالے سے (گزشتہ سال سے) کئی بار فیسوں میں بھاری اضافے کی توضیح کی جا چکی ہے۔

بلند آمدنی والے گروپ کی نسبت کم آمدنی والے گروپ میں زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں؛ اور تعلیمی اخراجات کے ضمن میں یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا تعلیم کی سرکاری سہولتوں کی کمی کے نتیجے میں نجی شعبے کا تعلیم میں کردار بڑھا ہے۔ پاکستانی آبادی کی ایک اقلیت ہی نجی اسکولوں میں تعلیم کی سکت رکھتی ہے۔ پاکستانی طلباء کی اکثریت جو 63 فیصد ہے سرکاری اسکولوں میں داخل ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسکولوں کی لاگت بڑھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نجی شعبہ بڑھتے ہوئے داخلوں کے بندوبست کے لیے اضافی اساتذہ کو بھرتی کر رہا ہے۔ تاہم یہ بھی اصل دلیل نہیں کیونکہ طلباء اور اساتذہ کا تناسب جو ابتدائی درجے میں 2005ء میں 37.5 تھا اب 2015ء میں بڑھ کر 46.5 ہو گیا ہے۔ دوسری طرف سرکاری کالجوں کی فیس اس تمام عرصے میں معمولی اضافے کے ساتھ خاصی حد تک مستحکم رہی ہے۔

صرف اشاریہ قیمت کے تعلیمی جز میں اضافے کے دیگر عوامل میں سے ایک سرکاری میڈیکل کالج کی فیس، گھر پر تعلیم کی فیس، یونیفارم کی فیس اور نصابی کتب کی قیمتیں بھی شامل ہیں (2008ء اور 2016ء کے درمیان یونیفارم کی قیمتیں دگنی سے زائد ہو گئیں)۔ اگرچہ یہ قیمتیں ماہانہ بنیادوں پر بڑھ رہی ہیں، تاہم اسکول یونیفارم کی عموماً سال میں ایک بار (اسکول شروع ہونے سے پہلے) ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ اس کی جزوی وضاحت یونیفارم کی بڑھتی طلب سے کی جاسکتی ہے (اسکول میں داخلوں کے بڑھنے کے تناسب سے) اور کاروبار کی عمومی بڑھتی لاگت سے کی جاسکتی ہے، یہ عوامل یونیفارم کی قیمتوں میں اضافے کو بحالت ثابت نہیں کر سکتے۔

گھر انوں کے لیے ایک اور بھاری خرچ نصابی کتب اور اسٹیشنری کی قیمتیں ہیں۔ ان اشیاء کی قیمتیں بھی جولائی 2008ء سے اپریل 2016ء تک دگنی سے زائد ہو چکی ہیں۔ اشاعتی ادارے اس اضافے کی وجہ طباعت کی بڑھتی لاگت اور کاغذ کی قیمتوں میں بڑھتی قیمتوں کی کوتاہی ہے۔

### خواتین کے داخلے:

ان تحریکات کا ایک افسوسناک لیکن متوقع نتیجہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ تعلیمی اداروں سے باہر بچوں کی تعداد پاکستان میں موجود ہے، مزید یہ کہ اس تعداد میں

جدول 7.6: خواتین کا داخلہ (مجموعی داخلوں کا فیصد)، 2014-15			
اعلیٰ ثانوی	مڈل	ابتدائی	
47	46	47	پنجاب
41	44	42	سندھ
27	34	40	خیبر پختونخوا
35	36	39	بلوچستان
41	43	44	مجموعی

ماخذ: پاکستان کے تعلیمی شماریات 2014-15، قومی تعلیمی انتظام کا نظام

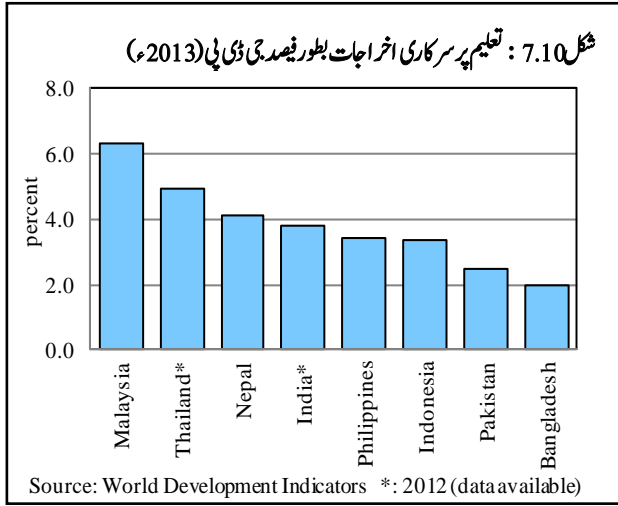
کافی عرصے سے اضافہ ہو رہا ہے۔<sup>63</sup> اور اگر اس مسئلے کو صنفی مساوات کے حوالے سے دیکھیں تو یہ مسئلہ مزید پریشان کن ہو جاتا ہے۔ اسکولوں کی ہر سطح پر لڑکیوں کے داخلے لڑکوں کے مقابلے میں بدستور پست ہیں (جدول

7.6)۔ ثقافتی عوامل کے ساتھ ساتھ امن و امان کی صورت حال (جو لڑکیوں کو اسکول بھیجنے کے معاملے میں والدین کی حوصلہ شکنی کرتی ہے) دونوں ہی یہاں اپنا کام دکھاتی ہیں۔ عسکریت پسند عموماً لڑکیوں کے اسکول کو نشانہ بناتے ہیں جو ان والدین کا مورال نیچے لانے کا سبب بن جاتے ہیں جو لڑکیوں کی تعلیم کے خواہش مند ہیں۔ اس حوالے سے پنجاب اور سندھ میں صورت حال بہتر معلوم ہوتی ہے، یہاں جب لڑکیاں ایک بار پرائمری تعلیم میں داخلہ لیتی ہیں تو وہ ثانوی تعلیم تک جاری رکھتی ہیں۔ یہ بات لڑکیوں کی اسکولنگ کے مختلف درجات میں داخلے کی تقریباً یکساں شرح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خیبر پختونخوا میں لڑکیوں کے پرائمری تعلیم کے بعد داخلے میں اچانک کافی کمی آجاتی ہے جس کی وجہ امن و امان کی خراب صورتحال ہے۔

### اخراجات

گزشتہ 15 سال میں ہونے والی کچھ معمولی بہتری کے باوجود پاکستان اس علاقے کے ان ممالک میں شامل ہے جو اپنے جی ڈی پی کی اوسط کا انتہائی کم تعلیم پر خرچ کرتے ہیں (شکل 7.10) جبکہ حکومت نے سرکاری طور پر 2018ء تک اپنے جی ڈی پی کی اوسط 4 فیصد تک بڑھانے کا ہدف مقرر کیا ہے، لیکن اس بات کا امکان نظر نہیں آتا کہ پاکستان یہ ہدف پورا کرنے کے قابل ہو سکے گا کیونکہ اس میں تعلیم کے لیے اس مالی سال کے 1790 ارب روپے کی سطح سے عملی طور پر بجٹ کی دگنی رقم مختص کرنا ہوگی۔

<sup>63</sup> 2009ء سے 2014ء تک پرائمری سطح پر اسکولوں سے محروم بچوں کی تعداد میں 7.0 فیصد اضافے سے 5.6 ملین سے زائد ہو گئی ہے (ماخذ: عالمی ترقیاتی اظہارے / ہار اینڈ لینکس)۔



بہر حال، ہم سمجھتے ہیں کہ اس پر بھی بات چیت اہم ہے کہ اگر ہم اس شعبے میں مزید وسائل مختص کرتے ہیں تو پاکستان کے تعلیم کے اظہارے بہتر ہوں گے۔ پاکستان کے مالی سال 17 میں تعلیم کے لیے مختص 790 ارب روپے (تقریباً 7.5 بلین ڈالر) کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ رقم سال میں سرکاری ذرائع سے متوقع کل زرمبادلہ کے ساتھ قابل موازنہ ہے۔<sup>64</sup>

مزید یہ کہ ہر صوبے کے ضلعوں میں مختص کردہ وسائل کی مقدار میں بھی بہت زیادہ تنوع ہے۔ یہاں تک کہ طلباء کی آبادی کے حجم کی پڑتال کریں تو بہت زیادہ فرق دیکھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب میں ضلع جیسے چکوال، بہاولپور، اور راولپنڈی ہر ایک نے 2014-15ء میں فی طالب علم 18000 روپے خرچ

کیے اس کے مقابلے میں چنیوٹ اور بھکر میں فی طالب علم 13000 روپے سے کم روپے خرچ کیے گئے۔<sup>65</sup> اسی طرح ایک اور تحقیق کے مطابق، خیبر پختونخوا کے تین بہترین کارکردگی والے اضلاع کو مجموعی بجٹ کا 23 فیصد ملا جبکہ ناقص کارکردگی والے اضلاع میں سے چار کو ایک ساتھ محض 4.0 فیصد ملا۔<sup>66</sup> قلیل وسائل میں وسائل کا یہ غلط استعمال صورت حال کے ایک تفصیلی، اور تکنیکی جائزہ کرنے کی استعداد میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

## 7.5 امکانات

سماجی ترقی کا ایجنڈا وسیع ہے اور جیسے ہم آگے بڑھتے ہیں یہاں کی گئی بحث تبدیلی کے کچھ اہم دروازے کھولتی ہے:

- پہلا، ان کمزوریوں کی موجودگی میں ایک مشترک نصب العین اور سماجی و معاشی ترقی کے لیے حل کی ضرورت ہے۔ یہ قومی نصب العین پاکستان وژن 2025 کی شکل میں موجود ہے، جو ترقی پذیر انسانوں اور سماجی سرمائے کو اولین ستون سمجھتا ہے۔ یہ معاشرے کی بنیاد سچائی اور معدلت اور غربت کی کمی کے واقعات نیز آمدنی کے فرق میں کمی پر توجہ مرکوز کر کے مجموعی نمونہ رکھتا ہے۔ اس وژن پر عمل درآمد کی اہم رکاوٹ یہی ہے کہ اسے مشترک ہونا چاہیے لیکن ادارہ جاتی کمزوریوں کے ساتھ ایسا وژن تخلیق کرنا قوم کے لیے ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔
- دوسرا، تصور سے عمل درآمد تک ایک طویل راستہ ہے۔ یقیناً خواہ یہ تعلیم اور صحت کے شعبے ہوں یا بڑے منصوبوں کی نگرانی، سماجی اور معاشی تبدیلی کی پالیسیوں پر عمل درآمد کی اہلیت ریاست کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ عام طور پر ایک ادارے میں فیصلہ سازی میں ناکامی کے امکانی ذرائع کی طرف لے جانے والی کئی تہیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سرکاری فیصلہ سازی میں بہتری کے لیے ادارہ جاتی نمونہ، جہاں یہ فیصلے کیے جاتے ہیں، خواہ وہ وفاقی، صوبائی یا ضلعی سطح پر ہوں یا ریاستی سطح پر اداروں میں، ان سب کی از سر نو تدوین و تجدید ہونی ضروری ہے۔
- آخر، مختلف اشاریوں کا علاقائی موازنہ ظاہر کرتا ہے کہ صوبوں میں سماجی ترقی کے تقاضے برابر نہیں ہیں نہ ہی علاقوں میں آمدنی کی تقسیم برابر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سماجی تبدیلی کے لیے ہمارے مشترک وژن کا مشکل ہدف (i) علاقائی ترقی کی مختلف رفتار کو پہچاننا؛ (ii) کئی سمتی غربت سے نمٹنے کے لیے

<sup>64</sup> ماخذ: مالی سال 17ء کی بجٹ دستاویز۔ انفرادی ممالک اور کثیر الجمعیتی ایجنسیوں، جیسے عالمی بینک اور اے ڈی بی کی جانب سے قرضوں اور عطیات کی صورت میں سرکاری زرمبادلہ سے اعانت کی گئی ہے۔

<sup>65</sup> ماخذ: پاکستان میں تعلیم کی سرکاری مالکاری 11-2010ء تا 16-2015ء، ادارہ برائے سماجی و پالیسی علوم۔

<sup>66</sup> مالک، ریجیڈ (آئیڈیاز پاکستان) اور روز، پالین (یونیورسٹی آف کیمرج)، "پاکستان میں تعلیم کی مالکاری: عمل درآمد کے مواقع" 2015ء۔



مختلف پالیسیاں بنانا؛ (iii) علاقائی آمدنی کے فرق کو ختم کرنے کے لیے آلات تیار کرنا؛ اور (iv) علاقائی ضروریات کے لیے تیار کردہ سرکاری خدمات کی ادائیگی ذرائع تیار کرنا۔ اس سطح کی باقاعدہ پالیسی سازی دہشت گردی کے خلاف جنگ کے درمیان کیسی بھی حکومت کے لیے ایک مشکل کام ہے۔

کم آمدنی کے گروپس پر سمجھوتہ شدہ سماجی خدمات کے غیر متناسب اثرات سماجی تبدیلیوں کی ایک اہم خصوصیت ہیں جس کا پاکستان کو سامنا ہے۔ یہ طبقہ پسماندہ حالت میں ہے کیونکہ یہ سرکاری خدمات پر انحصار کرتا ہے؛ نجی سہولیات اس طبقے کے لیے قابل برداشت نہیں ہیں۔ اس تناظر میں دیکھیں تو کچھ اقدامات انسانی ترقی کے لیے آگے بڑھنے میں سب سے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں: غربت کے خاتمے کے اہدائی پروگرام مسلسل بنانا اور ان میں اضافہ کرنا (جیسے بی آئی ایس پی)؛ ملک بھر میں خدمات کی ادائیگی کے لیے انفراسٹرکچر تعمیر کرنا؛ افرادی قوت کی منصوبہ بندی اور صحت و تعلیم سے منسلک پیشہ ور افراد کی پیشہ ورانہ زندگی کے انتظام کی سنجیدہ کوشش کرنا؛ اور سرکاری اخراجات اور منصوبوں کی نگرانی کو بہتر بنانا۔ تاہم بنیادی طور پر، سب سے اہم مقصد غریب ترین لوگوں کی آمدنیوں میں اضافہ اور امیر و غریب کے درمیان حائل رکاوٹ میں کمی ہونا چاہیے۔ سماجی ترقی کے حصول میں مجموعی نمونہ ایک پائیدار راستہ فراہم کرتی ہے۔

مجموعی طور پر، خدمات کی فراہمی میں موجودہ فرق اور چیلنجز جن سے حکومت گزشتہ چند برسوں سے مقابلہ کر رہی ہے وہ سماجی اظہاریوں (دہشت گردی کے خلاف جنگ کی بڑھتی ہوئی لاگت، بلند گرانی، انفراسٹرکچر کے مسائل، اور معاشی نمو میں سست روی) کو بری طرح متاثر کر چکے ہیں لہذا سماجی بہتری کا ہدف دشوار ہے تاہم اب بہتر تحفظ کے حالات اور وسیع تر معاشی بحالی، حکومت کی طرف سے مضبوط عزم، اور ترقی پر نئے سرے سے ارتکاز ملک کے سماجی اظہاریوں کو بہتر بنا سکتا ہے۔